بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خصائلِ نبوی ﷺ

کا دلآویز منظر

تالیف

القاسم اکیڈمی • جامعہ ابوہریرہ
خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد پاکستان

نام : خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
تصنیف : عبدالقیوم حقانی
ضخامت : 166 صفحات
پروف ریڈنگ : استاذ العلماء مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ
کمپوزنگ : مولوی گل رحمٰن رکن القاسم اکیڈمی
تاریخ اشاعت : رمضان ۱۴۲۶ھ / اکتوبر 2005ء
تعداد بار اول : 1100
قیمت :
ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابوھریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

- صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد سبیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰
- مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوھریرہ خالق آباد نوشہرہ
- کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ۔ راجہ بازار راولپنڈی
- زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
- مولانا خلیل الرحمٰن راشدی، جامعہ ابوھریرہ جنوں موم سیالکوٹ
- مکتبہ سید احمد شہید ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

ہر ذرہ تیرے کوچے کا آنکھوں سے لگا لوں
ممکن ہے کسی پر تیرا نقشِ کفِ پا ہو

مجھ کو کچھ ہوش نہیں ہے میری منزل ہے کہاں
قدمِ شوق مگر ہیں کہ اُٹھے جاتے ہیں

عارفیؔ اپنی ان آہوں کا اثر ہو کہ نہ ہو
اپنے کرنے کا ہے جو کام کیئے جاتے ہیں

فہرستِ مضامین

خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر

مقدمة

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام علی خاتم الرسالة

"چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر وباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحید ابراہیمؑ، جمال یوسفؑ، معجز طرازی موسیٰؑ، اسی لئے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں بہا تاجدار عرب وعجم ﷺ کے دربار گہر بار میں کام آئیں گی۔

"آج کی صبح وہ صبح جہاں نواز، وہ ساعت ہمایوں، وہ دور فرخ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی، نفرت وکدورت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبت اور اخوت کے پھول مہک اٹھے، چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئی، شبستانِ حیات جگمگا اٹھی، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا، ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی، نطق عیسیٰؑ کی تبشیر وجود میں آئی، کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب افق سے نکلا، جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کے لئے ٹھوس عقیدے اور جامع نظام دستور کی کمی پوری ہو گئی۔

---------------- O ----------------

اوپر کے یہ الفاظ برصغیر پاک و ہند کے نامور انشاء پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی" کے ہیں۔ شبلیؒ نے بلاشبہ اپنا سارا سرمایہ ادب و انشا وقف کر بارگاہ نبوت میں ڈھیر کر دیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا اور ہر حرف محبت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے گلشن عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھول اس جہاں بہار کے حضور نذر کر دیئے ہیں اور اپنے میکدہ دل کے محبت سے لبالب بھرے ہوئے جام اس رونق بزم کے نام پر لنڈھا دیے ہیں۔ شبلیؒ نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چنے، ادب کے نگینے جمع کیے اور نظم و نثر کے جواہر پارے اکٹھے کئے۔ ان سب کو طشتِ دل میں سجایا اور جا کر سرور کائناتؐ کی جناب میں الٹا دیا، کہ یہی ان کے مراقبہ و مشاہدہ کی کل متاع تھی جو انہوں نے ٹھکانے لگا دی۔

ایک شبلی" پر کیا موقوف اس بارگاہ عرش پایگاہ میں غزالی" اپنی تلقین، رازی" اپنا پیچ وتاب، فارابی" اپنی حیرت، بوعلی سینا اپنی حکمت، رومی" اپنا سوز و ساز اور قدسیؔ اپنا انداز تغزل کر بیٹھے، آج جمشید و فریدوں ہوتے تو اپنا جام جہاں نما بلا تکلف سفالِ مدینہ پر قربان کر دیتے اور دارا و سکندر اپنے تاج سر اور تختِ سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے۔ تاجدار" الفقر فخری " کی سرکار میں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی اونچی سانس نہ لے سکے۔ وہ بارگاہ و عالم پناہ جہاں طائر سدرہ نشیں مرغ سلیمان عرب بن کر مژدہ بلقیس شفاعت لائے۔ اس ذات کی محفلِ قدس کا کیا کہنا جس کا وہ چراغ ہمیشہ غازہ روئے قمر ٹھہرا، اس چمنستانِ حسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گل و ریحان لوٹ خزاں سے پاک رہا، اس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر و تسنیم جس کی دو بوندیں قرار پائیں اور اس چشمہ بقا کی حد کمال کہاں کہ جس کے تلوؤں کا دھوون آب حیات بن گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سو رنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ ع تو کائنات حسن ہے یا حسن کائنات

جناب رسالت مآب ﷺ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رخے انقلاب کئی آئے اور

اپنی پوری مدت پوری کر کے چلتے بنے۔ بہت کم ایسا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تئیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا۔ اب وہ عفو و رحمت کا پیمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب وہ خدا پرست بن گیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کار فرما رہی۔

------------------ 0 ------------------

انقلاب فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انقلاب فرانس کا فیض ہے روشن خیالی کا چشمہ انقلاب فرانس سے پھوٹا مگر اس دور انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ "پھانسی گھر" بن گیا، گیلو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زد عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلاشبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اس کی کیا قیمت چکائی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے اپنے دور حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے اور سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کے چرچے شکستِ روس تک عام رہے مگر پردے اب اٹھ رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباس عصمت تار تار کیا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر

کے نشے میں رعت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا اور یہی نعرہ جنگِ عظیم دوم کا پہلا شعلہ بنا اور یہ شعلہ آگ کا وہ الاؤ ثابت ہوا جس میں ستر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہوگئے اور اتنی ہی تعداد زخم چاٹنے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔ ہٹلر کی آپ بیتی میں "کیمف" یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵، ہر صفحے کے لئے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لئے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس سب کا حاصل؟ خودکشی، رسوائی اور پسپائی۔ چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی "افادیت" کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

---------------- ٥ ----------------

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلاب محمدی ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا، اس کے برپا ہونے سے موت کا اندھیرا نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سویرا طلوع ہوا۔ اس نے کشتوں کے پشتے نہیں لگائے بلکہ حسن و محبت کے بوٹے اگائے، وہ کسی جنگِ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا، یہ قافلۂ انقلاب دارِ ارقم سے نکل کر فتح مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے

اس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لئے سازگار اور اس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ مشید دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔ اس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابلِ رشک کیفیت سے گذر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرفِ انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی نجانے کتنی "پرستیاں" انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں ہر قبیلے کا الگ بت اور ہر ایک کا جداگانہ طرزِ پرستش۔ عرب بلاشبہ شجیع تھے مگر

شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر ہجویہ اشعار میں اپنا زور صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ براور کش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دسترخوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کار جحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظامِ عدل و انصاف بھی نہ تھا، سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملوکی تھی۔ اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور ﷺ نے عقیدۂ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدتِ انسانی کا سنگِ بنیاد نصب فرما دیا۔ انفرادیت پسندی اور خود پسندی کی اس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا حتیٰ کہ مذہبی آداب و شعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنے والے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی، گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑا دی۔

---------------- ٥ ----------------

قبائلی عصبیت کا رخ موڑ کر اسے اسلامی عصبیت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی برائی کو بنا دیا، تاکہ اس برائی کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقامِ انسانیت سے آگاہ کیا جا سکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے جنیوا کنونشن بھی موجود ہے، ہیومن رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں، نت نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیو سوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ نیشنلزم سے انٹرنیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب و خیال ہوتا اور وہم و گمان ہوتا اگر قدیم و جدید کے سنگم پر وہ ذاتِ ستودہ صفات تشریف فرما نہ ہوتی جس نے عہدِ قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچا لیا اور عصرِ جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔ آپ ﷺ کا ئنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلہ انتظار سے گزرنا پڑا، تب جا کر مقصدِ دریاب نصیب ہوا، اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ و بو کو اپنی تلاش کا سفر

مقدمہ

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ

''چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس شان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے انتظار میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، مہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر وباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسیٰ'' ، اسی لئے تھی کہ یہ متاع ہائے گراں بہا تاجدار عرب وعجم ﷺ کے دربار گہربار میں کام آئیں گی۔

''آج کی صبح وہ صبح جہاں نواز، وہ ساعت ہمایوں، وہ دور فرخ فال ہے کہ آج توحید کا غلغلہ بلند ہوا، بتکدوں میں خاک اڑنے لگی، نفرت وکدورت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، محبت اور اخوت کے پھول مہک اٹھے، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، شبستان حیات جگمگا اٹھی، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا، ابراہیم کی دعا قبول ہوئی، بشارت عیسیٰ کی تعبیر وجود میں آئی، کبھی نہ غروب ہونے والا آفتاب افق سے نکلا، جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کے لئے ٹھوس عقیدے اور جامع نظام دستور کی کمی پوری ہوگئی۔

---------------- O ----------------

اوپر کے یہ الفاظ برصغیر پاک و ہند کے نامور انشاء پرداز اور ممتاز سیرت نگار مولانا شبلی نعمانیؒ کے ہیں۔ شبلیؒ نے بلا شبہ اپنا سارا سرمایۂ ادب و انشاء لا کر بارگاہِ نبوت میں ڈھیر کر دیا ہے، ہر لفظ کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا اور ہر حرف محبت کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنے گلشنِ عشق کے عقیدت کی خوشبو میں رچے ہوئے سارے پھول اس جہاں بہار کے حضور نذر کر دیئے ہیں اور اپنے میکدۂ دل کے محبت سے لبالب بھرے ہوئے جام اس رونق بزم کے نام پر لنڈھا دیے ہیں۔ شبلیؒ نے عمر بھر میں جو علم کے موتی چنے، ادب کے نگینے جمع کیے اور نظم و نثر کے جواہر پارے اکٹھے کیے۔ ان سب کو طشتِ دل میں سجایا اور جا کر سرورِ کائناتؐ کی جناب میں الٹا دیا، کہ یہی ان کے مراقبہ و مشاہدہ کی کل متاع تھی جو انہوں نے ٹھکانے لگا دی۔

ایک شبلیؒ پر کیا موقوف اس بارگاہ عرش پایہ میں غزالیؒ اپنی تلقین، رازیؒ اپنا پیچ و تاب، فارابیؒ اپنی حیرت، بوعلی سیناؒ اپنی حکمت، رومیؒ اپنا سوز و ساز اور قدسیؒ اپنا انداز نثار کر بیٹھے، آج جمشید و فریدوں ہوتے تو اپنا جامِ جہاں نما بلا تکلف سفالِ مدینہ پر قربان کر دیتے اور دارا و سکندر اپنے تاجِ سر اور تختِ سکندری پر مدینے کی چاکری کو ترجیح دیتے۔ تاجدار "الفقر فخری" کی سرکار میں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی اونچی سانس نہ لے سکے۔ وہ بارگاہِ عالم پناہ جہاں طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمان عرب بن کر مژدۂ بلقیس شفاعت لائے۔ اس ذات کی محفلِ قدس کا کیا کہنا جس کا دودِ چراغ ہمیشہ غازۂ روئے قمر ٹھہرا، اس چمنستانِ حسن کی کیا بات ہے جس کا ہر گل و ریحان لوٹ خزاں سے پاک رہا، اس دریائے رحمت کا کیا بیان کہ کوثر و تسنیم جس کی دو بوندیں قرار پائیں اور اس چشمہ بقاء کی حدِ کمال کہاں کہ جس کے تلوؤں کا دھوون آبِ حیات بن گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا مضمون نگار خواہ سو رنگ سے مضمون باندھے اور ہر رنگ میں سو ڈھنگ اپنائے پھر بھی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ ؎ تو کائناتِ حسن ہے یا حسنِ کائنات

جناب رسالت مآب ﷺ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے، اگرچہ یک رخے انقلاب کئی آئے اور

اپنی پوری مدت پوری کر کے چلتے بنے۔ بہت کم ایسا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تئیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج اور کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو راہزن تھا اب راہبر کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا۔ اب وہ عفو و رحمت کا پیمبر بن گیا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب وہ خدا پرست بن گیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان انقلاب کے پیچھے کوئی فوج اور سپاہ نظر نہیں آتی فقط اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی نگاہ کار فرما رہی۔

--- 0 ---

انقلاب فرانس کو دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آج کی سائنسی ترقی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انقلاب فرانس کا فیض ہے، روشن خیالی کا چشمہ انقلاب فرانس سے پھوٹا، مگر اس دورِ انقلاب میں مارٹن لوتھر کے ساتھیوں پر کیا بیتی؟ اس پر تاریخ کے اوراق گواہ ہیں۔ عیسائیت کے تقدس اور تحفظ کے نام پر پورا یورپ "پھانسی گھر" بن گیا، گیلو اور برونو کی داستانیں آج بھی یورپ میں زبان زدِ عام ہیں۔

روس کا بالشویکی انقلاب بھی بلا شبہ بہت بڑا واقعہ ہے مگر وہاں کے کسانوں اور مزدوروں نے اس کی کیا قیمت چکائی؟ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نوے ہزار کسان اس انقلاب کے تنور کا ایندھن بنے، اور سٹالن نے اپنے دورِ حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین مروائے اور سائبیریا کے یخ بستہ جہنم کے چرچے شکستِ روس تک عام رہے کچھ پردے اب اٹھ رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس انقلاب نے گندم کے ایک ایک دانے کے عوض ایک ایک انسانی جان کی قیمت وصول کی ہے اور تن ڈھانپنے کے بدلے میں لباسِ عصمت تار تار کیا ہے، جرمن قوم آج بھی نسلی تفاخر

کے نشے میں وحشت ہے، اسی نسلی گھمنڈ نے ہٹلر کو جرمنوں کی آنکھ کا تارا بنایا، اور اس نے عظمتِ رفتہ کی بحالی کا نعرہ لگایا اور یہی نعرہ جنگ عظیم دوم کا پہلا شعلہ بنا اور یہ شعلہ آگ کا الاؤ ثابت ہوا جس میں ستر لاکھ انسان جل کر کوئلہ ہو گئے اور اتنی ہی تعداد زخم کھانے والوں اور معذوروں کی سامنے آئی۔ ہٹلر کی آپ بیتی میں "کیمف" یعنی میری جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے لئے ۱۲۵، ہر صفحے کے لئے ۴۷۰۰ اور ہر باب کے لئے بارہ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں، اور اس سب کا حاصل؟ خودکشی، رسوائی اور پسپائی۔
چین کا کمیونسٹ انقلاب بھی بہت بڑا انقلاب ہے مگر لانگ مارچ سے لے کر تیان من سکوائر تک پھیلے ہوئے لاشوں کے ڈھیر اس انقلاب کی "افادیت" کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

---------------- 0 ----------------

ان سب کے مقابلے میں ایک انقلابِ محمدی ہے جو اپنے جلو میں بشریت کا لہو نہیں انسانیت کی آبرو لے کر آیا، اس کے برپا ہونے سے موت کا اندھیرا نہیں چھایا بلکہ زندگی کا سویرا طلوع ہوا۔ اس نے کشتوں کے پشتے نہیں لگائے بلکہ حسن رحمت کے بوٹے اگائے، وہ کسی جنگ عظیم کا پیش خیمہ نہیں بنا بلکہ کاروانِ امن کا ہراول دستہ ثابت ہوا، یہ قافلۂ انقلاب دارِ ارقم سے نکل کر فتح مکہ پر اپنا سفر مکمل کرتا ہے مگر اس عرصے میں اتنا خون بھی نہیں بہا جتنا کہ روزانہ کسی بڑے ہسپتال میں صحت پانے کی غرض سے آپریشن کے دوران بہہ جاتا ہے

اس انقلاب کی ایک اور خوبی بھی ہے کہ وہ حالات بظاہر انقلاب کے لئے سازگار اور اس کے متقاضی نہیں تھے، یوں لگ رہا تھا کہ چار ہزار سال سے تعمیر کیا گیا تہذیب کا وہ قصرِ مشید دھڑام سے گرنے والا ہے اور انسانی سوسائٹی اس میں دب کر آنے والی کئی صدیوں تک چیختی کراہتی رہے گی۔ اس دور میں جزیرۃ العرب اعتقادی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے ناقابلِ رشک کیفیت سے گزر رہا تھا، عرب اعتقادی طور پر بالکل نچلی سطح پر پہنچ چکے تھے اس سے آگے شرفِ انسانی کی توہین کی کوئی منزل نہیں تھی، ملائکہ پرستی، جنات پرستی، بت پرستی، ستارہ پرستی نجانے کتنی "پرستیاں" انہیں جونک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں ہر قبیلے کا الگ بت اور ہر ایک کا جداگانہ طرزِ پرستش۔ عرب بلاشبہ شجیع تھے مگر

شجاعت پر سنگدلی کا گمان گزرتا تھا، عرب قادر الکلام تھے مگر زیادہ تر ہجویہ اشعار میں اپنا زور صرف کرتے تھے، وہ جفاکش تھے مگر ساتھ ساتھ برادر کش بھی، وہ مہمان نواز تھے مگر ان کا دسترخوان زیادہ تر چوری اور راہزنی کے اسباب سے سجا ہوتا تھا، ان کی سیاست میں انفرادیت کا رجحان تھا، کوئی مرکزی نظم نہ تھا کوئی باقاعدہ نظام عدل و انصاف بھی نہ تھا، سارا معاشرہ قبائلی فضا میں سانس لے رہا تھا، جس کے نتیجے میں ایک طرح کی طوائف الملوکی تھی۔ اعتقادی پستی کے اس ماحول میں حضور ﷺ نے عقیدۂ توحید پر مبنی انقلابی نظام قائم کر کے وحدتِ انسانی کا سنگِ بنیاد نصب فرمایا۔ انفرادیت پسندی اور خود پسندی کی اس فضا میں اجتماعی نظم اور خدا پرستی کا نمونہ پیش کیا گیا کہ مذہبی آداب و شعائر تک میں اجتماعیت کا رنگ غالب کر دیا اور یوں آنے والے وقتوں میں بین الاقوامی اداروں کی تشکیل کی راہ ہموار کر دی، گلے سڑے معاشرے میں حیات افروز رجحانات کو فروغ دے کر سوسائٹی میں امن، اخوت، ایثار، عدل، اطاعت اور روحانیت کی لہر دوڑا دی۔

---------------- 0 ----------------

قبائلی عصبیت کا رخ موڑ کر اسے اسلامی عصبیت میں بدل دیا اور یوں ذاتی اغراض کی جنگ کو ختم کر کے کفر، باطل، ظلم، فساد اور طغیان کے خلاف لوگوں کو مورچہ بند کر دیا اس طرح نفرت کا ہدف انسان کے بجائے اس میں پائی جانے والی برائی کو بنا دیا، تاکہ اس برائی کے خلاف جہاد کر کے انسان کو اس کے مقام انسانیت سے آگاہ کیا جا سکے، آج دنیا یو این او کے چارٹر سے آگاہ ہے، جنیوا کنونشن بھی موجود ہے، فنڈامنٹل رائٹس کے کمیشن بھی دنیا بھر میں کام کر رہے ہیں، نت نئے ورلڈ آرڈر بھی متعارف ہو رہے ہیں، نیو سوشل کنٹریکٹ کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور لوگ نیشنلزم سے انٹرنیشنلزم کی طرف بڑھ رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ خواب و خیال ہوتا اور وہم و گمان ہوتا اگر قدیم و جدید کے سنگم پر وہ ذاتِ ستودہ صفات تشریف فرما نہ ہوتی جس نے عہد قدیم کو پاش پاش ہونے سے بچا لیا اور عصر جدید کو نئے خطوط فراہم کر کے آگے بڑھنے کے قابل بنا دیا۔ یہ کائنات کو جس طرح ہزاروں برس پہلے مرحلۂ انتظار سے گزرنا پڑا، تب جا کر معتنی رہبر یاب نصیب ہوا، اسی طرح آج بھی قافلہ ہائے رنگ و بو کو اپنی تلاش کا سفر

جاری رکھنا پڑے گا، حرف ولفظ کے اسیر جلوتیان مدرسہ اور تہی سبو خلوتیان میکدہ کو اتنی جلد فیضان انقلاب محمدیؐ کے تمام پہلوؤں کا ادراک حاصل نہیں ہو سکے گا۔ ہنوز زمانہ ابھی کئی کروٹیں لے گا، صدیوں کا سفر ابھی باقی ہے، غنچے سے کلی اور کلی سے پھول بننے میں ابھی کئی مراحل پڑے ہیں اور شعور انسانی کو مزید مصفّٰی اور مجلّٰی ہونا ہوگا، تب اس کی سمجھ میں آئے گا کہ :

لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالم آب وخاک میں ، تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا ، تو نے طلوع آفتاب

---------------- o ----------------

اس عظیم پیغمبر انقلاب کے خصائل اور اخلاق کیا تھے؟ شرح شمائل ترمذی اس کا علمی وتحقیقی جواب ہے۔ جس کے چھوٹے اجزاء میں سلسلۂ طباعت کی ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے اخلاق وعادات، عفوودرگذر، رضا بالقضاء، خدام کی دلداری وخاطرداری، اکرام ضیف، وسعتِ اخلاق وسخاوت، بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ، کھردرے بستر کو ترجیح، تواضع وعبدیت، لکڑیاں جمع کرنا، سادگی وفروتنی، ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال، تعلیم وتربیت کے اہداف، دربار نبوت علم وخدمت کا مرکز، درسگاہ نبوی کے فضلاء، مجالسِ نبوت کے مختلف مناظر، ہاتھوں کی ملائمت، جودوعطا کے مراتب، حیاء کی فضیلت واہمیت اور آپؐ کا مقام حیاء، حیاء کا اکمل نمونہ، معالجہ اور پچھنے لگوانا، ہدیہ لینا اور بہترین بدل دینا، الغرض شمائل ترمذی کے سینتیس (۳۷) احادیث کی عالمانہ، محققانہ، سلیس اور عام فہم تشریح وتوضیح کا حسین مرقع ہے۔ محبان رسول ﷺ کے لئے تحفۂ عشق ومحبت۔

چھین لے مجھ سے نظر آئے جلوۂ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

عبدالقیوم حقانی
۱۷ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فراش بمعنٰی مفروش کے ہے جیسے کتاب بمعنٰی مکتوب کے ہیں' اس کی جمع فُرش آتی ہے، جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے ۔ **ويقال له ايضاً فرش من باب التسمية بالمصدر ' وقد ورد في صحيح مسلم فراش للرجل و فراش لزوجته و فراش للضيف و فراش للشيطان و انما اضافه للشيطان لانه زائد على الحاجة مذموم و قيل لانه اذا لم يحتج إليه كان مبيته و مقيله**(مواہب ص۲۳۶) (صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ایک بستر مرد کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور ایک بستر شیطان کا ہے اور بے شک اس بستر کی شیطان کو اس لئے نسبت کی کہ وہ ضرورت اصلیہ زائد ہے اور مذموم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اس بستر کی ضرورت نہیں اور وہ فالتو ہے تو وہ گویا شیطان کا مبیت (بیتوتہ کی جگہ) اور مقیل (قیلولہ) کی جگہ ہے) حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک چمڑے ٹاٹ اور بوریا کا ہوا کرتے تھے، نرم اور گداز بستر پسند نہیں فرماتے تھے ۔ الشیخ یوسف بن اسماعیل النبهانی فرماتے ہیں" حضور نبی کریم ﷺ

کا بستر مبارک چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اس کی لمبائی کم وبیش دو گز تھی اور چوڑائی ایک گز اور ایک ہاتھ تقریباً' آپؐ دنیاوی ساز و سامان سے بالکل الگ رہے، باوجودیکہ خدا نے دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپؐ کو عنایت فرمائی تھیں مگر آپ ﷺ نے کبھی دنیاوی خواہش نہیں کی' ہمیشہ آخرت پر اور اس کی نعمت پر نظر رکھی اور آخرت کو اختیار فرمایا"۔ (وسائل الوصول)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ہم نے آپؐ کے لئے بستر بچھا دیا، تو اس پر لیٹ گئے، اگر نہ بچھایا' تو زمین پر ہی لیٹ جاتے تھے۔ آپؐ کا تکیہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری پڑی رہتی تھی۔ (وسائل الوصول)

(۳۱۴/۱) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهُ لِيْفٌ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی بن مسہر نے دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی' اور انہوں نے اسے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا، جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔

راوی حدیث (۵۹۶) علی بن مسہرؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کا بستر مبارک اور آرام فرمانے کا طریقہ :

حضور سید دو عالم ﷺ نرم بستر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنجناب ﷺ کے پیش نظر اپنی اُمت کو عبادت' زہد' ریاضت' محنت' مسلسل تبلیغ اسلام کی راہ میں مشقت اٹھانے اور ہر وقت خدمت خلق کرنے کی زندگی اور تعلیم دینی مقصود تھی۔ اس لئے خود بھی

عیش و آرام اور تنعم کی زندگی ترک فرمادی تھی۔ یہاں تک کہ نیند بھی سخت بستر پر فرماتے اور آرام وہ گدے یا توشک پر سونا پسند نہ فرماتے۔ بیہقی نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس انصار کی ایک عورت آئی، اس نے رسول مقبول ﷺ کا بستر دیکھا جو چمڑا کو دوہرا کر کے بچھا رکھا تھا فبعث الیٰ بفراش حشوہ صوف وہ عورت گئی اور اس نے روئی سے بھری ہوئی توشک (لحاف) آنحضور ﷺ کے لئے میرے پاس بھیج دی۔

حضور ﷺ تشریف لائے اور اس کو دیکھا فرمایا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ انصار کی فلاں عورت نے آپ کا بستر دیکھا، تو پھر جا کر آپ کے لئے روئی سے بھرا ہوا گدا بھیج دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! یہ اسے واپس کر دے۔ واللہ لو شئت اجری اللہ معی جبال الذھب والفضۃ

"اور فرمایا قسم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی، اگر میں چاہوں تو اللہ جل جلالہ سونے اور چاندی کے پہاڑ عطا کر دے" یعنی خوب آرام' عیش اور تنعم کی زندگی بسر کر دوں، مگر میں تو راحت و آسائش کے ہر قسم کے سامان کو ہیچ سمجھتا ہوں اور درحقیقت راحت و آرام تو وہ ہے جو آخرت میں نصیب ہو۔ امام احمدؒ اور ابوداؤد الطیالسیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے فاثر فی جنبہ آپ ﷺ کے جسم اطہر واقدس پر اس بوریے کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کیا آپؐ کے لئے کوئی نرم بستر نہ لائیں تو ارشاد فرمایا :

"مالی وللدنیا انما انا والدنیا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح و ترکھا"

"مجھے دنیاوی آرام سے کیا کام' میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستے میں کسی درخت کے نیچے ذرا آرام کرلے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جائے"۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف النبھانی امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسم مبارک پر بوریے کے نشان نظر آرہے تھے۔ حجرہ کی یہ

حالت تھی کہ ایک طرف تھوڑے سے جَو پڑے ہوئے تھے۔ دیوار پر کھال لٹکی ہوئی تھی (نماز پڑھنے کے لئے) میں نے یہ حال دیکھا تو میرے آنسو نکل آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن خطاب کیوں روتا ہے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! میں اب بھی نہ روؤں۔ اس چٹائی نے آپ کے جسم پر نشان ڈال دیئے ہیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جو روپیہ آ رہا ہے کیا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔ دوسری طرف یہ قیصر و کسریٰ ہیں، جو دنیا کی بے انداز، نعمتوں میں کھیل رہے ہیں اور آپ اللہ کے نبی اور محبوب ہیں، پھر بھی اس تنگدستی پر گذر بسر ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' اے ابن خطاب ! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ آخرت کی ابدی نعمتیں ہمارے لئے ہوں اور دنیا کی چند روزہ آسائشیں انہیں دے دی جائیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں، جنہیں یہی کچھ آسائشیں دے کر بہلا دیا گیا ہے، جن کی مدت بہت مختصر ہے اور ہم وہ لوگ ہیں جو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازے جائیں گے' جو کبھی ختم نہ ہوں گی''۔ شرح سنۃ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے کہ یرکب الحمار العری و یجیب دعوۃ المملوک و ینام علی الارض و یجلس علی الارض و یاکل علی الارض ''برہنہ گدھے پر سواری فرماتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، زمین پر سوتے، زمین پر بیٹھتے اور زمین پر کھانا کھاتے'' (شرح خونیہ ۳۴۳،۳۴۲)

الادم' ادیم کی جمع ہے وھو الجلد المدبوغ او الاحمر او مطلق الجلد ولعل الخشونۃ کانت تساعدہ علی قلۃ النوم' لأن الفراش الوثیر یساعد علی کثرۃ النوم و ھذا دلیل الزھادۃ الحقیقیۃ فان قلوتہ او سع من ذلک بکثیر (اتحافات ص۳۵۳) (ادیم کا معنیٰ رنگا ہوا چمڑا یا سرخ چمڑا اور یا پھر مطلق چمڑا اور شاید کہ اس کا کھردرا پن وسختی نیند کی قلت میں معاون ومددگار ثابت ہوتی تھی اس لئے کہ نرم وملائم بستر تو نیند کی کثرت میں زیادہ موافق ومعاون ہوتا ہے اور یہی چیز دراصل دنیا سے بے رغبتی اور روگردانی کی دلیل ہے ورنہ آپ ﷺ کی طاقت وقدرت میں اس سے زیادہ قیمتی وملائم کی بھی وسعت ہو سکتی تھی)۔

(۳۱۵/۲) حَدَّثَنَا اَبُوْ الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَيْمُوْنٍ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِكِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهُ لِيْفٌ وَ سُئِلَتْ حَفْصَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِكِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِيْهِ ثِنْيَتَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَيْتُهُ اَرْبَعَ ثِنْيَاتٍ لَكَانَ اَوْطَاَ لَهُ فَثَنَيْنَاهُ لَهُ بِاَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْنِيَ اللَّيْلَةَ قَالَتْ قُلْنَا هُوَ فِرَاشُكَ اِلَّا اَنَّا ثَنَيْنَاهُ بِاَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ قُلْنَا هُوَ اَوْطَاُ لَكَ قَالَ رُدُّوْهُ لِحَالِهِ الْاُوْلٰى فَاِنَّهُ مَنَعَتْنِيْ وَطَاءَتُهُ صَلَاتِيَ اللَّيْلَةَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں ہمیں ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد اللہ بن میمون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطہ سے خبر دی۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ چمڑہ کا تھا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا، انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا، جس کو دوہرا کر کے ہم حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ نرم ہو جائے گا۔ میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کو کیا چیز بچھائی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرہ کا بستر تھا، رات کو اسے چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات کو مجھے تہجد سے مانع ہوئی

کھردرے بستر کو ترجیح :

المسح بکسر المیم' ٹاٹ کو کہتے ہیں، جو اون سے بنا ہوتا تھا، یہ معمولی سا فراش ہے، جو بغیر بچھانے کے اور کسی بھی کام کا نہ تھا، گویا ایک معمولی سا کمبل و ھو کساء خشن من صوف۔ (اتحافات ص۳۵۴)

مضمون حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر رہا ہے : حضور سید دوعالم ﷺ نے اپنی اُمت کو عملی طور پر سمجھایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے نرم نرم بستر ے، یہ آرام و آسائش، یہ حشم و نبوی تمہیں یادِ الٰہی' نماز اور تہجد سے بے پرواغافل نہ کر دیں ۔ صرف اس لئے ذرا سا نرم بستر استعمال کرنا نہیں پسند فرمایا کہ نماز تہجد کہیں نہ پڑھی جا سکے ۔ آج ہمیں سرور انبیاء' شفیق اُمت' پیغمبر اسلام ﷺ کی اس سنت مبارکہ کو زندہ کرنا چاہئے ۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور آپ بوریئے پر نماز پڑھتے تھے اور اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ دباغت کی ہوئی کھال ہو اور آپ اس پر نماز ادا فرمائیں ۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومن ھنا نستفید کیف أن لین الفراش کان یمنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من التہجد و اذا کان الرسول و ہو الذی تنام عینہ ولا ینام قلبہ یخشی الفراش الوثیر فکیف بنا نحن ؟ إن الکثیر من المسلمین یفرح إذا استغرق فی النوم من أول اللیل الی آخرہ والأکثر من الکثیر یحزن اذا لم یکن عندہ الفراش الوثیر إننا نفتن الیوم فی السرر والستائر و النمارق ' ناسین البساطۃ الحلوۃ ' والسنن الکریمۃ ۔(اتحافات ص۳۵۵) (اور ان احادیث سے ہمیں معلوم ہوا کہ بستر کی نرمی اور ملائمت میں آپ ؐ کے لئے بھی تہجد سے مانع بن جانے کا امکان تھا ۔ اور جب کہ نبی کریمؐ کی ذات اقدس کو (جس کی صرف آنکھیں تو سو جاتیں لیکن دل بیدار ہوتا) بھی نرم و ملائم بستر کا سبب غفلت بننے سے خوف لاحق تھا تو پھر ہماری حالت ان کے استعمال کرنے سے کیا ہوگی ۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسلمان تو شروع رات سے آخر رات تک گہری نیند میں مستغرق ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت سے دیگر لوگ نرم و ملائم اور آسائش و آرام کے بستر نہ ہونے سے پریشان و غمگین رہتے ہیں ادھر آج کے ماحول میں تو ہم لوگ تخت ، پلنگ ، صوفہ سیٹ گاؤ تکیے، پردے، غالیچے اور قالینوں کے استعمال میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن سادہ بچھونے (کمبل ، دری ، ٹاٹ ، فرش زمین) وغیرہ کی مبنی زندگی اور حضور ﷺ کی پیاری سنتوں کو بھلانے والے ہیں) ۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری کے بارے میں

تواضع کا معنیٰ اور تشریح :

تواضع کا معنی تذلل' عاجزی' فروتنی' انکساری اور خشوع ہے ۔ و عند الصوفیۃ تذلل القلوب لعلام الغیوب بالتسلیم لمجاری احکام الحق (جمع ج۲ص۱۹۱) (اور صوفیاء کرامؒ کے نزدیک اپنے دلوں کو علام الغیوب ذات کے لئے عاجز منکسر کر کے احکام حق کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرنا)

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں: و عرفا : خروج الانسان عن مقتضی جاہہ ، و تنزلہ عن مرتبۃ أمثالہ و عند المحققین : التواضع ہو : أن لا یری العبد لنفسہ مزیۃ و یری الحالۃ التی ہو فیہا اعظم من أن یستحقہا و سئل أبو یزید : متی یکون العبد متواضعا ؟ فقال : إذا لم یر العبد لنفسہ مقالا و لا حالا ۔(اتحافات ص۳۵۹) (تواضع کا معنیٰ عرف عام میں یہ ہے کہ کسی شخص کا اپنے حقیقی اور اصلی مرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزل اختیار کرنا ہے اور محققین کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے کوئی فضیلت اور مرتبے کا خواہش مند نہ ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کو اپنے استحقاق سے زیادہ خیال کرنے اور سمجھے بھی ۔ اور ابو یزید سے پوچھا گیا کہ ایک انسان کب متواضع کہلاتا ہے اس نے جواب میں کہا کہ جب بندہ اپنے کسی قول (گفتگو) یا حال (کیفیت) کو بڑا سمجھنے کا خواہش مند نہ ہو)

حضور اقدس ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر متواضع تھے ۔ حضرات صوفیاء کرام کہتے ہیں، تواضع میں کمال تب آتا ہے' جب تجلی شہود میں کمال حاصل ہو ۔

علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ قال بعض العارفین "لا یبلغ العبد حقیقۃ التواضع الا اذا دام تجلی الشہود فی قلبہ" (مواہب ص۲۲۷) کیونکہ اس سے نفس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کمزور پڑتا ہے اور تجلیٔ شہود سے نفس کی بیماریاں تکبر، عجب، ضد، خود پسندی اور سرکشی و بغاوت ختم ہو جاتی ہیں۔

حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ متواضع تھے :

شیخ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تواضع اور انکساری میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بہت کم گو تھے، مگر آپ ﷺ کی کم گوئی کبر کی وجہ سے نہ تھی، جب بات کرتے تو بہت مختصر کرتے، بہت خوب رو تھے، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے کام سے بھی نہ گھبراتے تھے، مگر اس حد تک بھی تواضع اور انکساری سے کام نہیں لیتے تھے کہ دوسرا آدمی آپ ﷺ کو حقیر سمجھنے لگے۔ (وسائل الوصول)

حضور اقدس ﷺ نے لکڑیاں جمع کرنا اپنے ذمہ لیا :

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ کرامؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام آپس میں تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال اتارنا، کسی نے پکانا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، فقال علی جمع الحطب یعنی پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے فقالوا یارسول اللہ نکفیک العمل صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت! یہ کام تو ہم خود کر لیں گے فقال قد علمت انکم تکفونی و لکن اکرہ ان اتمیز علیکم و ان اللہ یکرہ من عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابہ۔ (جمع ج۲ص۱۶۱) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کام کو بخوشی کر لو گے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ کریم بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔

چند متواضعانہ اعمال :

علامہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں لم یاکل متکا بعد حتی فارق الدنیا و قال

اجلس کما یجلس العبد و آکل کما یاکل العبد و لم یقل لشیء فعلہ خادمہ انس اف قط وما ضرب احدا من عبیدہ و امائہ وھذا امر لا یتسع لہ الطور البشری لولا التائید الالٰھی و عن عائشۃ انھا سئلت کیف کان اذا خلا فی بیتہ قالت الین الناس بساما ضحاکا لم یر قط مادا رجلیہ بین اصحابہ و عنھا ما کان احد احسن خلقا منہ مادعاہ احد من اصحابہ الا قال لبیک و کان یرکب الحمار و یردف خلفہ (جمع ج۲ص۱۶۰) (نبی کریم ﷺ نے کبھی (بلا عذر) تکیہ لگا کر کھانا اپنے وصال مبارک تک نہیں کھایا اور فرماتے کہ میں تو ایسا (متواضع) بیٹھتا ہوں جیسا کہ ایک بندہ اور غلام بیٹھتا ہے اور کھاتا بھی ایسا ہوں جیسے کہ ایک غلام کھاتا ہے اور کبھی اپنے خادم حضرت انسؓ کو کسی کام کرنے پر اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے کسی کو مارا پیٹا اور یہ ایسے مشکل امور ہیں کہ اگر تائید خداوندی اس میں شامل حال نہ ہو تو نوع انسانی کو ان کے سرانجام دینے کی وسعت و قدرت نہیں ہو سکتی اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کا برتاؤ گھر میں کیسا ہوتا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سب لوگوں میں سے نرم مزاج والے، تبسم اور ہنسنے والے۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کے درمیان پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے ہوں۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہ تھا اور صحابہؓ (ساتھیوں) میں سے کسی نے بھی اگر آپ ﷺ کو بلایا تو آپ ﷺ نے اس پر لبیک فرمایا (کہ میں حاضر ہوں) اور آپ ﷺ گدھے پر (اکیلے) سوار ہوئے ہیں اور کسی دوسرے کو اپنا ردیف (پیچھے بیٹھنے والا) بھی بنایا ہے)

(۳۱۲/۱) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ وَسَعِیْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِیُّ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع، سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو، جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا بنا دیا) میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

راویانِ حدیث (۵۹۷) سعید بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ اور (۵۹۸) عبید اللہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدحِ رسولؐ میں حد سے تجاوز ممنوع ہے :

لا تطرونی ..... اطراء کا معنیٰ کسی کی مدح میں حد سے تجاوز کرنا۔ ھو تجاوزۃ الحد فی المدح۔ (اتحافات ص ۲۵۶) وھو المبالغۃ فی المدح والغلو (مناوی ج ۲ ص ۱۲۱) (علامہ مناویؒ اطراء کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ کسی کی تعریف اور مدح میں مبالغہ اور غلو کرنا) یعنی میری مدح میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو، جو خلاف واقع ہو، ورنہ مطلق مدح تو جائز ہے، فالمعنیٰ لا تجاوزوا الحد فی مدحی بغیر الواقع۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۲۱)

کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی مدح میں مبالغہ کیا۔ حد سے تجاوز کیا۔ یہاں تک کہ اسے اللہ کا بیٹا قرار دیا، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنا دیا وکما حرفوا قولہ تعالیٰ فی الانجیل عیسیٰ نبی وانا ولدتہ (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور جیسے کہ نصاریٰ نے انجیل میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ "عیسیٰ میرا نبی ہے اور میں نے اس کو جنا ہے" میں تحریف (ردوبدل) کی ہے)

یہ کفریہ عقائد مدح میں غلو، حدود سے تجاوز اور بے جا مبالغہ آرائی سے پیدا ہوئے اور اس نہی کا سبب بھی یہی ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ علی قصد التعظیم و ارادۃ التکریم (بارادہ تعظیم و تکریم) کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اور منع فرمایا۔

مقامِ عبدیت ورسالت :

انما انا عبد اللہ فقولوا عبد اللہ و رسولہ : مجھے اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول میں مقام عبدیت میں ہوں، پھر کلمۂ شہادت میں اس کا اعلان کرایا گیا۔ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) سورۃ کہف میں ارشاد ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ (کہف:۱) (سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر کتاب (قرآن مجید) کو اتارا) سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ پاک نے آپ ﷺ کے لئے عبدیت کا مقام پسند فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا ... (بنی اسرائیل:۱) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا) عبدیت و رسالت انتہائی صفت کمال ہے۔ وھذا غایۃ الکمال فی مرتبۃ المخلوق فلا تقولوا فی حقی شیئا ینافی ھاتین الصفتین ولا تعتدوا فی شانی وصفا غیرھما (جمع ج ۲ ص ۱۶۱) (اور مرتبہ مخلوق میں عبدیت و رسالت انتہائی صفت کمال ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ میرے حق میں کوئی ایسی نسبت نہ کیا کریں جو ان دو صفات کے منافی ہو اور میری شان میں ان دو اوصاف کے علاوہ کوئی تجاوز بھی نہ کریں)

والی ھذہ الزبدۃ اشار صاحب البردۃ بقولہ ......

دع ما دعتہ النصاریٰ فی نبیھم
واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم

ترجمہ : تو اپنے حبیب کی صفت کرتا جا اور ہر طرح کی صفت کر جس طرح جی چاہے مگر نصاریٰ کی طرح نہیں کہ جس طرح انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کی صفت کی تھی۔
آپ ﷺ کی دو صفتوں کا ذکر آپ ﷺ کی دیگر متنوع صفات کمال کی نفی نہیں۔

وما احسن قول ابن الفارض ......

اری کل مدح فی النبی مقصرا ۔۔۔ وان بالغ المثنی علیہ و اکثرا
اذا اللہ اثنی بالذی ھو اھلہ ۔۔۔ علیہ فما مقدار ما یمدح الوری

و لقد احسن من قال من ارباب الحال

ما ان مدحت محمدا بمدیحتي   بل قد مدحت مدیحتي بمحمد

(جمع ج۲ص۱۶۲)

(اور کتنا اچھا اور حسین ہے ابن فارض" کا قول۔ میں تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ہر مدح میں فروگذاشتی کا خیال کرتا ہوں۔

اگر چہ ثنا، ومدح کرنے والا اس کی مدح میں کثرت سے مبالغہ بھی کرے جب اللہ تعالیٰ نے اس کی ثنا، ومدح ایسی ہی کی ہے۔

جس کے وہ لائق ہیں تو پھر مخلوق کی مدح کی مقدار کی کیا قدر و قیمت ہوگی اور کیا خوب کہا ارباب حال میں سے جس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے اس مدح کرنے میں محمد ﷺ کی تو کوئی تعریف ومدح نہیں کی بلکہ میں نے اپنی مدح ہی کی تعریف محمد ﷺ کے ذریعہ کردی)

(۳۱۷،۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً فَقَالَ اجْلِسِي فِي أَيِّ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ شِئْتِ أَجْلِسْ إِلَيْكِ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سوید بن عبدالعزیز نے حمید کے واسطہ سے خبر دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تخلیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی سڑک کے راستہ میں بیٹھ جامیں وہیں آ کر سن لوں گا۔

راوی حدیث (۵۹۹) سوید بن عبدالعزیزؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک بے وقوف خاتون کی حاجت بر آری:

ان امرأة جاءت الى النبی صلى الله علیه وسلم یہ خاتون کون تھیں، اور نام کیا تھا، لم یقف الشراح علی اسم المرأة (اتحافات ۳۵۷) (شارحین حضرات اس عورت کے نام سے واقف نہیں ہوئے) و فی بعض حواشي الشفا اسمها ام زفر (مواہب ص۲۲۸) (کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس عورت کا نام ام زفر تھا) البتہ اس پر تصریح ہے کہ یہ عورت انصار سے تھیں۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا اور شارحین نے اس پر بھی تصریح کی ہے کہ اس کی عقل میں فتور تھا، یا وہ آزاد منش اور بازار میں گھومنے والی خاتون تھیں یوں بوجہ فتور عقل کے گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے وہیں جا کر ان کی بات سننے کا ارشاد فرمایا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زنانہ مکان پر بلانے میں مستورات کو فتنیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے سڑک ہی پر بات سن لی۔

کمالِ تواضع کی انتہا:

ارشاد فرمایا، اجلسی فی ای طریق المدینة شئت یعنی ایک طرف ہو کر بیٹھ جا اور میں وہاں بیٹھ کر تیری ہر بات سنوں گا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ کسی اجنبی خاتون کے ساتھ تنہائی نہ ہو تا کہ شریر طبیعت کے افراد کو کسی قسم کی شرارت کرنے کا موقع میسر نہ ہو۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "حضور اقدس ﷺ کا ایک بے وقوف سی عورت کی ضرورت کے لئے سرراہ بیٹھ جانا یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع ہے"۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں" هذا (الحدیث) دلیل علی مزید تواضعه وبراءته من جمیع انواع الکبر" (جمع ج۲ص۱۶۳) (یہ حدیث تو حضور ﷺ کی مزید تواضع عاجزی کی دلیل اور تکبر و بڑائی کی سب اقسام سے براءت اور بیزاری کا اظہار ہے)

ایک خاتون جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنی چادر بچھائی :

علامہ یوسف النبھانیؒ نقل کرتے ہیں کہ ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور وہ آپ ﷺ کے قریب آ گئی۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔ حضور اقدس ﷺ کی جانب سے اس عورت کا یہ اعزاز و اکرام دیکھا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے، ساتھیوں نے کہا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی رضاعی ماں ہے۔

اخذِ مسائل :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا کوئی خاص دربار نہیں ہوتا تھا' یہ بھی تواضع ہے اور یہ معلوم ہوا کہ راستہ پر ضرورت کی وجہ سے بیٹھنا جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یہ خلوۃ بالاجنبیۃ نہیں تھی، خلوت تب ہوتی، جب لوگوں کے سامنے بیٹھنا نہ ہوتا فیہ تنبیہ علی ان الخلوۃ مع المرأۃ فی زقاق لیس من باب الخلوۃ فی بیت معھا (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۱۹)

(اس میں تنبیہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ گلی راستہ میں خلوت (علیحدگی) کرنا یہ اس خلوت کے حکم میں نہیں ہے جو کہ کسی عورت اجنبیہ کے ساتھ کمرے میں ہو)

(۳۱۸/۳) حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْاَعْوَرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُ الْمَرِیْضَ وَ یَشْهَدُ الْجَنَازَۃَ وَ یَرْکَبُ الْحِمَارَ وَ یُجِیْبُ دَعْوَۃَ الْعَبْدِ وَ کَانَ یَوْمَ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ عَلٰی حِمَارٍ مَخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِیْفٍ عَلَیْہِ اِکَافٌ مِنْ لِیْفٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن مسہر نے مسلم اعور کے حوالہ سے خبر دی، اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت

فرماتے تھے۔ جنازوں میں شرکت فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ آپ ﷺ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے پتوں کی تھی اور کاٹھی بھی اس کی تھی۔

راوی حدیث (۶۰۰) مسلم الاعورؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مریض کی عیادت :

یعود المریض ' یعنی بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ ملا علی قاریؒ نے یہاں پر تفصیل لکھی ہے۔ ذیل میں اس کی تلخیص دی جا رہی ہے۔

حضور اقدس ﷺ بیمار کی عیادت کرنے میں کوئی فرق یا تمیز نہیں برتتے تھے۔ ہر ایک شخص کو چاہے وہ آزاد ہوتا یا غلام، جوان ہوتا یا بوڑھا، عورت ہوتی یا مرد، مسلمان ہوتا یا کافر، بیمار پرسی فرماتے۔ مریض کے قریب بیٹھتے، اس کے سر سے اسے پیار فرماتے، پھر اس کا حال دریافت فرماتے۔ اس کو تسلی دیتے، نہایت مشفقانہ اور محبت سے بھری ہوئی گفتگو بیمار کے ساتھ کرتے۔ وکان یقول للمریض کیف تجدک او کیف اصبحت او کیف امسیت ' اولاباس علیک ' طھور ان شاء اللّٰہ او کفارۃ و طھور (اتحافات ۳۵۸)

(اور آپ ﷺ مریض سے فرماتے کہ تو اپنے آپ کو کیسے پاتا ہے (یعنی آپ کی طبیعت کیسی ہے) یا آپ نے صبح کس طرح کی یا فرماتے کہ آپ نے شام کس طرح کی یا اس کو فرماتے کوئی فکر نہ ہو تو (بیماری کے سبب) انشاء اللہ پاک ہو یا (یہ بیماری) کفارہ اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے) جو جگہ اس کی دکھتی یا جس جگہ اسے درد ہوتا، وہاں اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دم ڈالتے۔

حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "بیمار کی درد کی جگہ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرماتے بسم اللّٰہ ارقیک من کل داء یوذیک اللّٰہ یشفیک (اللہ کے نام سے میں ہر اس بیماری سے جو تجھے تکلیف دے دم کرتا ہوں اللہ تجھے شفاء دے) اور صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جناب جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا۔

حضور اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ان دونوں گرامی قدر حضرات نے مجھے بے ہوش پایا، تو نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا۔ سو مجھے افاقہ ہوگیا، تو حضور پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ابوداؤد میں ہے کہ فنفخ فی وجهی فافقت میرے منہ پر دم کیا تو مجھے افاقہ ہوگیا اور اسی میں ہے کہ ارشاد فرمایا: یاجابر لا اراک میتا من وجعک هذا اے جابر تو اس درد سے نہیں مرے گا۔ یجب للمسلم علی المسلم ست یعنی ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں"۔

جن میں سے ایک بیمار پرسی کا بھی ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی مریض کو دیکھنے جاتے یا کوئی بیمار آپ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے اذهب الباس رب الناس، واشف انت الشافی، لا شفاء الا شفائک شفاء لا یغادر سقما (اتحافات ص ۳۵۸) (اے لوگوں کے ربّ! اس (مریض) کے خوف وتکلیف کو دور فرمادے اور اس کو شفاء دے تیری ہی ذات شفاء دینے والی ہے تیری شفاء کے علاوہ تو کوئی شفاء ہے ہی نہیں اسے ایسی شفاء دے دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے)

حضور ﷺ کا بیمار پرسی فرمانا علاوہ اور باتوں کے کمال تواضع بھی ہے۔ اس لئے کہ لان التواضع خروج الانسان عن مقتضی جاهه و تنزله عن مرتبة امثاله (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (تواضع کسی انسان کا اپنے جاہ ومرتبہ کے مقتضیٰ سے خروج اور اپنے ہم مرتبہ اشخاص سے تنزلی اختیار کرنا ہے)

ایک یہودی لڑکے کی عیادت اور دعوتِ اسلام :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں :

مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتیٰ کہ غیر مسلموں کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کردیتا تھا، وہ بیمار ہوا۔ حضور اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے

شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی، اس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھا، اُس نے اجازت دیدی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی حمد کا سزاوار ہے، جس نے میری وجہ سے اس کو عذابِ جہنم سے بچادیا۔ یہی نہیں بلکہ راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے، حالانکہ اس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں۔ (خصائل)

ترمذی میں ہے من عاد مریضا لم یحضر اجله فقال عنده " اسال الله العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک (سبعا) فان الله تعالیٰ یشفیه۔ (اتحافات ص ۳۸۷) (جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ ابھی تک اسے پیغام موت نہیں پہنچا تھا اس کے پاس یہ دعا سات دفعہ پڑھی کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو بڑی عظمت والے اور عرشِ عظیم کے مالک ہیں یہ سوال کرتا ہوں کہ تجھے شفاء دے دے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے شفاء دے دیتا ہے)

عیادت کے اوقات کی تعیین نہیں :

آپ ﷺ نے بیمار پرسی کے لئے کسی خاص وقت کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ حسب فرصت وضرورت رات دن میں کسی وقت یہ عمل فرمالیا کرتے۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں ولم یکن من هدیه علیه الصلوة والسلام ان یخص یوما من الایام بعیادة المریض ولا وقتا من الاوقات بل شرع لامته عیادة المرضی لیلا و نهارا و فی سائر الاوقات و فی المسند عنه و اذا عاد الرجل اخاه المسلم مشی فی خرفة الجنة حتی یجلس فاذا جلس غمرته الرحمة فان کان غدوة صلی علیه سبعون الف ملک حتی یمسی و ان کان مساء صلی علیه سبعون الف ملک حتی یصبح۔ (زادالمعاد ج ۱ ص ۱۷۰) (نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور عادت مبارک بیمار پرسی کے متعلق نہ کسی خاص دن اور نہ کسی خاص وقت کی تعیین تھی بلکہ اپنی امت کی سہولت کے لئے دن اور رات کے سارے اوقات میں حسب فرصت بلاتکلف عیادتِ مریض کو مشروع اور جائز فرمایا ہے اور حدیث مرفوع میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کی بیماری پرسی کرتا ہے تو گویا جنت کے باغ میں جارہا ہے تاآنکہ (بیمار کے پاس) بیٹھ جاتا ہے اور جب اس کے

پاس بیٹھتا ہے تو اس کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اگر وہ صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس کے لئے شام تک ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کا وقت ہوتا ہے تو پھر صبح تک اس کے لئے ستر ہزار فرشتے دعا کرتے رہتے ہیں۔

جنازہ میں شرکت :

و یشھد الجنازۃ یعنی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔ اس پر نماز ادا فرماتے اور اس کی مغفرت و بخشش کے لئے اللہ پاک سے دعائیں فرماتے اور ایسے مبارک ارشادات فرماتے جو بڑی عبرت و موعظت کا باعث بنتے۔ ای یحضرھا لتشیعھا والصلوۃ علیھا سواء کانت لشریف أو وضیع فیتاکد لامتہ فعل ذلک اقتداء بہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مواہب ص ۲۲۸) (آپ ﷺ ہر مسلمان کے جنازہ پر تشریف لے جاتے چاہے وہ معزز اور شریف ہوتا یا غیر شریف تو گویا امت کے لئے آپ ﷺ ایسے امور کے بطور اپنے اقتداء کے تاکید فرما رہے ہیں)

گدھے پر سوار ہونا :

و یرکب الحمار اونٹ اونٹنی اور گھوڑے کی موجودگی میں بھی آپ ﷺ گدھے پر سواری کر لیا کرتے تھے اور بسا اوقات کسی کو اپنے ساتھ بھی بٹھا لیا کرتے تھے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ای مع قدرتہ علی الناقۃ والفرس والجمل و ربما کان یردف احد معہ (جمع ج ۲ ص ۱۲۴) جب حضور اقدس ﷺ مکۃ المکرمہ تشریف لائے۔ بنی عبد المطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو اپنے پیچھے۔ و جاء فی مختصر السیرۃ للمحب الطبری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکب حمارا الی قباء، و کان مع ابوھریرۃ فقال احملک بھا فقال ماشئت یا رسول اللہ! فوثب لیرکب، فلم یقدر! فاستمسک بہ صلی اللہ علیہ وسلم فوقعا جمیعا و حاول ابوھریرۃ الرکوب مرۃ اخری فوقعا جمیعا (اتحافات ص ۳۵۹)

(محب الطبری کی "مختصر السیرۃ" میں ہے کہ آپ ﷺ قباء جانے کے لئے گدھے پر سوار ہوئے ابوھریرہؓ وہاں تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر آپ ﷺ کو بھی سوار کر کے لے جاؤں گا ابوھریرہؓ نے فرمایا جیسے کہ آپ ﷺ کی مرضی ہو۔ تو ابوھریرہؓ نے سوار ہونے کے لئے چھلانگ لگائی لیکن چڑھ نہ سکے۔ نبی کریم ﷺ نے گدھے کو روکا تو دونوں گر پڑے ابوھریرہؓ نے پھر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو پھر گر دونوں گئے)۔

عرب کے گدھوں میں ایک خاص قسم ہے جو جثہ میں ہمارے ہاں کے موٹے خچروں سے بھی بڑے ہوتے ہیں اور تیز رفتاری میں معمولی ٹٹوؤں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ وہ دو دو اور تین تین افراد کو بہ آسانی اٹھا لیتے ہیں اور ہمارے ہاں کے معمولی گھوڑوں سے طاقت و قوت اور رفتار میں بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ تاہم گھوڑوں کے مقابلہ میں یہ ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہاں یہی مقصود ہے کہ آپ ﷺ کو باوجود اس عزت و رفعت اور عظمت و مقام کے جو دونوں جہاں کے سرداری سے حاصل تھا، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا۔ و تاسی بہ اکابر السلف فی ذلک فقد کان لسالم بن عبد اللہ بن عمر حمار ھرم فنھاہ بنوہ عن رکوبہ فابی فجدعوا أذنہ فرکبہ فجدعوا الاخری فرکبہ فقطعوا ذنبہ فصار یرکبہ مجدوع الأذنین مقطوع الذنب (مواہب ص ۲۲۸) (اور آپ ﷺ کی اقتداء میں بہت سے اکابر و اسلاف امت نے گدھے کی سواری کو پسند فرمایا چنانچہ حضرت سالم ابن عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک بہت بوڑھا گدھا تھا اس کے بیٹوں نے اس پر سوار ہونے سے اس کو منع کیا لیکن حضرت سالمؒ نہ مانے تو انہوں نے گدھے کا ایک کان کاٹ دیا پھر بھی اس پر سواری کرتے رہے تو انہوں نے دوسرا کان بھی کاٹ دیا تو پھر بھی اس پر سوار ہوتے رہے تو حضرت سالمؒ کے بیٹوں نے گدھے کی دم بھی کاٹ دی لیکن پھر حضرت سالمؒ کان اور دم کٹے ہوئے گدھے پر سواری فرماتے تھے (اور اسے معیوب نہ جانتے تھے)

دعوت قبول فرمانا :

یجیب دعوۃ العبد آپ ﷺ غلاموں کی دعوت کو بھی قبول فرماتے۔ چاہے

جس ضرورت وحاجت کے لئے آپ کو بلاتے۔ خواہ وہ قریب والے ہوتے یا دور والے ہوتے۔ جیسا کہ ایک روایت میں عبد کی جگہ المملوک کی تصریح بھی آئی ہے۔ ای الی ای حاجة دعاه (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) ممکن ہے کہ یہاں "العبد" سے مراد 'عبد ماذون" ہو جو اپنے مالک کی اجازت سے دوسرے کی دعوت کر سکتا ہے۔ یا عبد سے مراد آزاد کردہ غلام ہو۔ و سمی عبدا باعتبار ما کان فالمراد به المعتوق (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (اور اس کو غلام باعتبار گذشتہ زمانہ کے کہا تو اس سے مراد آزاد شدہ غلام ہیں) کہ عبد معتوق' آزاد ہونے کے بعد مفلس ہوتا ہے اور اگر غلام ہی کی دعوت ہے تو دعوت سے مراد حاجت کے لئے بلانا ہے۔ تاکہ عدم ملک کا شبہ نہ ہو، جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو بھیج کر آپ ﷺ کو دعوت دیتا تھا تو قبول فرما لیتے اور استنکاف نہ فرماتے کہ دعوت دینے کے لئے صاحب خانہ یا اس کے خاندان کا فرد خود کیوں نہیں آئے۔ یہ صورت تب بنتی ہے جب عبد سے مراد 'عبد رقیق' ہو۔ جبکہ یہ وتیرہ متکبرین کا ہوتا ہے کہ وہ غلام کی دعوت یا غلام کے ذریعہ دعوت پر استنکاف کرتے ہیں' اسی بات کا تذکرہ ملا علی قاری فرمارہے ہیں او کان یجیب دعوة العبد من عند سیده و لم یمتنع عن اجابته لعدم ما اتی سیده بنفسه کما هو شان الاکابر الزمان ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴)

الغرض آپ عام لوگوں' فقراء' غرباء' مساکین' غلاموں اور محبین کی دعوت قبول فرمالیا کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور اس سے اُن کی عزت افزائی ہوتی تھی ۔ عن انس قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقعد علی الارض و یاکل علی الارض و یجیب دعوة المملوک ای علی خبز الشعیر و یقول لو دعیت الی ذراع لاجبت ولو اهدی الی کراع لقبلت و کان یعقل شاته ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۶۴) (حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر بیٹھتے بھی تھے اور اس پر کھانا بھی کھاتے اور آپ ﷺ آزاد شدہ غلام کی دعوت یعنی جو کی روٹی بھی قبول فرمایا کرتے اور کہتے کہ اگر میں بلایا جاؤں بکری کے دست (چوڑی) کھانے کے لئے تو بھی یہ دعوت قبول کروں گا اور اگر مجھے ہدیہ میں (بکری، گائے کے) پائے اور کھرے بھی دیے

جائیں تو بھی قبول کروں گا اور آپ ﷺ اپنے بکری کا دودھ نکالا (دوہا) کرتے)

بنو قریظہ !

وکان یوم بنی قریظة ---- جنگ احزاب جب ختم ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے ہتھیار اتار دینا چاہے، مگر حضرت جبرئیل تشریف لائے اور فرمایا کہ ہتھیار اتارنے سے پہلے مدینہ کے نواح میں یہودی آبادی بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ کر لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فتح احزاب کے بعد بنو قریظہ کے لئے لشکر روانہ فرمایا۔ اب حالت یہ تھی کہ یہودیوں کے لئے ہمیشہ کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ مسلمان غالب اور فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہے تھے۔ اس روز بھی آپ ﷺ کے پاس نہ تو عمدہ سواری تھی اور نہ اس زمانے کے فاتحین اور سرداروں کی طرح کسی شان و شوکت کا اظہار تھا، نہ تو قیمتی اور شان و شوکت اور ریشمی لگام تھی، نہ کوئی عمدہ پالان' کجاوہ یا مقعد تھا، جس کا پالان "من لیف" یعنی کھجور کے چھال سے بنا ہوا تھا۔

وعلیه اکاف' اکاف لکڑی اور کاٹھی کو کہتے ہیں، یعنی پالان گدھے کی جس طرح زین گھوڑے کی ہوتی ہے۔ هو کالسرج للفرس " من لیف " من بیانیة و رکوب الحمار مع هذا الاختصار ' خلق لایقدر علیه الاالسید المختار (اتحافات ص ۳۵۹) (اور گدھے پر سوار ہونا باوجود غلبہ اور کامیاب ہونے کے یہ ایسا بلند عالی خلق و خصلت ہے کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی میں بھی یہ قدرت نہیں کہ اس کو پسند و اختیار کرے)

وقد نظم الحافظ العراقی معنیٰ هذ الخبر فاجاد حیث قال ......

یمشی مع المسکین والارملة	فی حاجة من غیر ما انفة
یردف خلفه علی الحمار	علی اکاف غیر ذی استکبار
یمشی بلا نعل و لا خف الی	عیادة المریض حوله الملا

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۵)

(اور اسی کو بہتر انداز میں حافظ العراقیؒ نے منظوم کیا ہے کہ بغیر کسی استنکاف کے مسکینوں اور بیواؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلا کرتے اور ردیف بنا کر

اپنے پیچھے بھی کسی کو گدھے کی پالان پر بٹھلاتے نہ تکبر اور غرور کرتے ہوئے۔ آپ ﷺ بغیر جوتوں اور موزوں کے بھی بیمار پرسی کے لئے بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف لے جاتے (یا یہ مطلب کہ آپ ﷺ بغیر جوتے اور موزوں کے بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے اور بیمار کے پاس ایک بڑی جماعت موجود ہوتی تھی)

(۳۱۹/۴) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَ لَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں واصل بن عبدالاعلی کوفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جَو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ ﷺ (اس کو بھی بے تکلف) قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اخیر عمر تک حضور اکرم ﷺ کے پاس اس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

یدعی الی خبز الشعیر۔ شعیر جَو کو کہتے ہیں۔ الاہالہ ہر وہ روغن جو بطور سالن کے استعمال ہو، اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تیل جو چربی یا الیہ (دنبے کی لاٹ) سے پگھلا کر نکالا گیا ہو اور بعض منجمد دسومت کو کہتے ہیں جیسے کہ ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں کہ وھو کل شیء من الادھان مما یؤتدم و قیل ما اذیب من الالیۃ و الشحم و قیل الدسم الجامد (جمع ج۲ص۱۶۵)

السنخۃ قال الزمخشری سنخ اذا تغیر و فسد و اصلہ فی الاسنان یقال سنخت الاسنان اذا فسدت اسناخہا (علامہ زمخشریؒ سنخۃ کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جب کسی چیز

اور کھانے میں تغیر تبدل اور فساد آ جائے تو پھر کہا جاتا ہے کہ سنخ ای الشئی او الطعام۔ اور دراصل اس کا ماخذ دانتوں میں سے ہے۔

عرب محاورہ میں کہا جاتا ہے سنخت الاسنان جب دانتوں کی جڑ اور بنیاد میں خرابی آ جائے) شیخ الباجوریؒ تو اس سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ و یؤخذ من ذلک جواز آکل المنتن من لحم وغیرہ حیث لاضرر (مواہب ص۲۳۹) (کہ جب کسی ضرر اور نقصان کا احتمال نہ ہو تو پھر بدبودار چیز کا کھانا (چاہے گوشت ہو یا کوئی اور چیز) جائز ہے) بعض لوگوں نے اس کے معنی میں بدبودار کا اضافہ کیا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ پرانا ہونا، منجمد ہونا اور بات ہے اور بدبودار ہونا اور بات آپ ﷺ نظیف تھے اور بدبودار چیز آپ ﷺ کو ناپسند تھی۔ اس لئے پیاز کھا کر مسجد جانے سے بھی منع فرمایا۔

سادگی اور فروتنی کی انتہاء :

ولقد کانت لہ درع، آپ ﷺ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے آخری ایام میں بھی آپ کی زرہ (جس کا نام ذات الفضول تھا) کسی ضرورت کے پیش نظر ایک یہودی (جس کا نام ابوشحم تھا) کے پاس رہن پڑی ہوئی تھی بعد میں اسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کرا کے بیت المال میں جمع کرایا۔

فما وجدھا یعنی وصال تک رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اسے یہودی سے نہ چھڑا سکے، لانہ صلی اللہ علیہ و سلم مات فقیرا و قد فکھا من بعدہ ابوبکر، و قیل الامام علی، و ھذہ الحال مع ما کان علیہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم من مال خیبر و ارض فدک و غنائم الجھاد۔ (اتحافات ص۳۰۶) (اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فقیری کی حالت میں وصال فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ نے اسے چھڑا لیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے چھڑایا تھا اور آپ ﷺ نے زندگی اس فقیرانہ حال میں گزاری باوجودیکہ مال خیبر فدک والی زمین اور جہاد میں مال غنیمت وغیرہ کے اسباب موجود تھے)

اخذ مسائل :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ساتھ خرید و فروخت، رہن اور قرض کا لینا دینا جائز ہے۔ وکان الرهن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند الیهودی لبیان جواز ذلک۔ (اتحافات ص ۳۶۰)

بحالت قرض انتقال پر ایک شبہ اور جواب :

اگر شبہ ہو کہ آپ ﷺ تو اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو اپنے اوپر دَین چھوڑ جاتے تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذمہ قرضہ چھوڑا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جنازہ نہ پڑھنا اس لئے تھا کہ وہ لوگ باوجود قدرت کے قرض خواہ کو قرض ادا نہیں کرتے تھے۔ یا اس دَین کی ادائیگی کے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ کو تو ادا کی قدرت نہ تھی۔ دوسرے وفاءِ دَین کے لئے زرہ یہودی کے پاس چھوڑ دی تھی جو اس کے قرض سے زائد قیمت کی تھی۔ دوسرے صحابہ کرامؓ جیسی جانثار جماعت کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے جو یہود عدو اللہ وعدو المسلمین کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ معاملات اور معاوضہ مالی اجانب سے کرنا چاہئے تاکہ اپنے احباب اور اقارب سے معاملہ کر کے کبھی قطع تعلقات کی نوبت نہ آئے۔

اگرچہ صحابہ کرامؓ پر اور خود آنحضرت ﷺ پر فقر وفاقہ کا دور گزر رہا ہے مگر آخر عمر میں نہ آپ ﷺ کی یہ حالت تھی اور نہ صحابہ کرامؓ کی تھی۔ تقریباً سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ کرامؓ متمول تھے، مگر پھر بھی آپ ﷺ نے زرہ کو یہودی کے پاس رہن رکھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو اشارہ تک نہیں کیا، ورنہ حضور ﷺ کے لئے تو جان حاضر تھی، یہ ادنیٰ رقم کون نہیں دے سکتا تھا۔ تو یہ غایت تواضع پر محمول ہے اور اُمت کو تعلیم دینا ہے کہ جس سے تعلقات تھے۔ اس سے معاملہ نہیں کیا کہ اوّلاً تو کوئی رہن نہیں رکھے گا، اگر کوئی رکھے گا تو تکلف کرے گا، تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اطلاع کرنا بھی گوارا نہ کیا۔

(۳۴۰/۵) حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو داؤد الحفری عن سفیان عن الربیع بن صبیح عن یزید بن ابان عن انس بن مالک قال حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رحل رث وعلیه قطیفة لا تساوی اربعة دراهم فقال اللهم اجعله حجا لا ریاء فیه ولا سمعة۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انہوں نے یزید بن ابان سے نقل کی۔ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا اور حضور ﷺ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

راویان حدیث (۶۰۱) ابوداؤد الحفریؒ اور (۷۰۲) الربیع بن صبیحؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

رحل اونٹ کے پالان/ رث بوسیدہ، پھٹے پرانے اور "قطیفة" پرانی چادر کو کہتے ہیں، جس پر حاشیہ لگا ہوا ہو۔

تواضع وعبدیت کا اظہار :

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی کمال تواضع، فروتنی اور عاجزی تھی، جس کا اظہار بارگاہِ قدس میں فرمایا، ورنہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر قسم کی عنایتوں، بخششوں اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔

جس کا اظہار بھی آپ ﷺ نے اس موقع پر یوں کیا تھا کہ اسی حج مبارک میں قربانی کے وقت ایک سو اونٹ کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو وہ کچھ عطا فرمایا، جس کا کوئی حساب ہی نہیں۔

ریا و شہرت سے حفاظت کی دعا :

اللھم اجعلہ حجا ...... یعنی اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا، جس میں نہ تو دکھاوا ہو اور نہ ہی سمعہ و شہرت' یعنی اللہ کریم کے حضور اپنی عاجزی' مسکینی اور تواضع و عبدیت کا اظہار بھی کمال درجے کا فرماتے ۔ بہر حال یہ دعا حضور اقدس ﷺ کے تواضع و عبدیت کی اعلیٰ دلیل ہے ، کیونکہ اس سے نہ تو ریاکاری پیدا ہوتی ہے ، اور نہ سمعہ و شہرت کا شائبہ ، پھر ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ بھی معصوم ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے پاک تھے ۔ اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ دعا تعلیم امت کی غرض سے تھی ۔

ہاں ! ریاکاری اور شہرت و سمعہ تو ان لوگوں میں آ سکتا ہے ، جو کہ نفیس سواریوں پر بیٹھیں اور اعلیٰ و عمدہ قیمتی لباس پہن کر حج کریں ۔ عیش و عشرت کے سامان و اسباب کا اس کے پاس وفور ہو ان کے پاس گروہ در گروہ اونٹوں کی جماعتیں ہوں ۔ یہ ساری باتیں ہمارے اس دور کے اہل علم کے لئے عبرت ہیں' اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے اسی حج میں ایک سو اونٹ ذبح کیئے ۔ اپنے صحابہ کرام کو تحفے دیئے اور سخاوت اس قدر کی کہ کسی شخص نے اس سے پہلے نہ سنی نہ دیکھی ۔ ان اصحاب میں سے ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آپ کو ہدیہ کے طور پر بے شمار اونٹ عطا کیئے ۔ مزید براں تین سو دینار بھی ان کی طرف بھیجے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر عطاء دیکھ کر حیران رہ گئے اور قبول نہ کر سکے ، **و منھم عمر اھدی فیما اھدی لہ بعیرا اعطی لہ ثلثمائۃ دینارا فابی قبولھا۔**

(مناوی ج ۲ ص ۱۶۸)

(۲/۳۴۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْھِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَکَانُوْآ اِذَا رَاَوْہُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ کَرَاھِیَتِہٖ لِذٰلِکَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان نے خبر دی ، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمۃ نے حمید کے واسطہ سے خبر

دی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا ۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ پسند نہیں تھا ۔

صحابہ کرامؓ اور محبت رسول ﷺ :

لم یکن شخص احب الیھم .. یعنی صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا شخص نہیں تھا اور کیسے کوئی دوسرا آدمی پیارا اور محبوب ہو سکتا ہے ، جبکہ سرور عالم ﷺ نے ان کو دولت توحید سے نوازا ۔ گمراہی کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سعادت اور نیک عملی کی بلندیاں نصیب فرمائیں ۔ جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتیں مرحمت فرما دیں ۔ جاہلی عرب کی انتہائی بد اخلاقیوں سے چھٹکارا دلا کر مکارم اخلاق پر فائز فرمایا ۔

نیز آنحضور ﷺ ذات ستودہ صفات کو محبوب رکھنا ہی تکمیل ایمان ہے ۔ حضور ﷺ کی محبت کے بغیر تو مسلمان' مسلمان ہی نہیں ہوتا ۔ **الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ** آگاہ رہو کہ جس شخص کو حضور ﷺ سے محبت نہیں ، اس کا ایمان مکمل ہی نہیں ۔

ایک بار سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا " اے اللہ تعالیٰ کے رسول ! ہر ایک چیز سے آپ مجھے پیارے ہیں ، سوائے اپنی جان کے " تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں' جب تک کہ تجھے میں اپنی جان سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں " ۔

تو حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے ، پھر عرض کیا کہ " اب آپ ﷺ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں " تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا الآن تم ایمانک یا عمر اے عمر! اب تیرا ایمان پورا ہو گیا ۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنے باپ' بھائی' ماں اور ہر چیز سے زیادہ حضور ﷺ سے محبت فرماتے ہیں اور آنجناب ﷺ کے عشق میں مست و الست تھے ۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کی محبت کاملہ و صادقہ عطا فرمائے ۔ (آمین)

حضور اقدس ؐ اپنے لئے لوگوں کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے :

لم یقوموا لما یعلمون ---- اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کی قلبی محبت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے موقع پر آپ کے احترام میں کھڑے ہوں، مگر چونکہ آپ ﷺ اس قسم کی ظاہرداریوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

علماء کرام نے اس کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اکثر اوقات ضروریات کے لئے گھر آتے جاتے تھے اور ضروریات کے لئے بار بار اٹھنا اور آنا جانا پڑتا تھا، تو اس طرح ہر وقت صحابہ کرامؓ کا اٹھنا بیٹھنا آپ ﷺ کو ناگوار تھا۔ اسی میں کمالِ تواضع کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

تعظیماً کھڑا ہونا مستحب ہے :

بعض علماء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہی نہیں ہونا چاہئے۔ حالانکہ خود حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ آپ ﷺ کئی دفعہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے واقعات سے قیامِ تعظیمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب کھڑے ہوجاتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے، جب تک کہ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے جاتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یحدثنا فاذا قام قمنا قیاماً حتی نراہ قد دخل ۔(جمع ج ۲ ص ۱۷۰)

اس لئے امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ اربابِ فضل وکمال اور ذی وجاہت وذی شرف لوگوں کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ وھذا القیام للقادم من اھل الفضل من علم او صلاح او شرف مستحب۔(جمع ج ۲ ص ۱۷۰)۔

حضور اکرم ﷺ نے بھی انصار صحابہ کرامؓ سے فرمایا قوموا الیٰ سیدکم (تم اپنے سردار کے لئے اٹھ کھڑے ہو) محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں ، قال البیھقی ھذا القیام یکون علی وجہ البر والاکرام کما کان قیام الانصار لسعد و قیام طلحۃ لکعب بن مالک (امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا اعزاز واکرام کے لئے تھا جیسے کہ قبیلہ انصار کا حضرت سعدؓ کے لئے کھڑا ہونا اور حضرت طلحہؓ کا کعب بن مالکؓ کے لئے کھڑا ہونا) اور اس کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ وفی حدیث سعد دلالۃ علی ان قیام المرء بین یدی الرئیس الفاضل و الوالی العادل و قیام المتعلم للمعلم مستحب غیر مکروہ (مشکوٰۃ ص ۴۰۳) (اور حضرت سعدؓ کے واقعہ سے دلالۃً معلوم ہوتا ہے کہ عادل بادشاہ یا ایک معزز رئیس کے لئے کھڑا ہونا نیز شاگرد کا استاد کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے مکروہ نہیں ہے)۔

محققین کی رائے :

محققین کی رائے بھی یہی ہے کہ روایات میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں۔ اس وجہ سے احادیث میں بھی مختلف احکام ملتے ہیں۔

کھڑے ہونے کی چار قسمیں :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نقل فرماتے ہیں" ابوالولید بن رشید کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے۔

(۱) ناجائز! ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا ہے، جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے لوگ کھڑے ہوجائیں۔ (۲) مکروہ! ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے، لیکن اندیشہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اس میں تکبر اور عجب پیدا ہوجائے۔ (۳) جائز ہے! ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔ (۴) مستحب ہے! اس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہوجائے۔ (خصائل)

تعظیماً کھڑے ہونے کی ممانعت کی وجہ :

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس قیام کی ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں، ملا علی قاریؒ بھی یہی لکھتے ہیں لیس هذا من القیام المنهی عنه انما ذاک فیمن یقومون علیه و هو جالس و یمکثون قیاما طول جلوسه (شرح ج ۲ ص ۱۷۱) ممانعت کی احادیث کی مراد یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑا ہونا چاہیے جس طرح کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق :

فقیہ النفس محدث کبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے، جب تک کہ کوئی ایسا عارض پیش نہ آئے جو اس کو ناجائز بنا دے۔ مثلاً اس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا جس کے لئے قیام کیا ہے کہ اس میں تکبر وغیرہ پیدا ہو اور اس کے دین وایمان کا نقصان ہو یا نفاق کے طور پر کھڑا ہو، مگر اس شخص کی عظمت واحترام دل میں نہ ہو یا ریاکاری ہو یہ صورتیں بہرحال ناجائز ہیں۔ انما کرهه تواضعاً و شفقة علیهم و خوفاً علیهم من الفتنة اذا افرطوا فی تعظیمه (مواہب ص ۲۳۰)

(اور آپ ﷺ کا ان کے کھڑے ہونے کو ناپسند فرمانا بطور اپنی تواضع اور ان پر رحم وشفقت کرنے (کہ بار بار کھڑے ہونے سے تکلیف ہوگی) نیز اس خطرہ کے پیش نظر بھی کہ کہیں تعظیم میں حد سے تجاوز کر کے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاویں)

(۳۲۲/۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ تَمِيْمٍ مِّنْ وُّلْدِ اَبِیْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰی اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِیْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَاَلْتُ خَالِیْ هِنْدَ بْنَ اَبِیْ هَالَةَ وَ كَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَاَنَا اَشْتَهِیْ اَنْ يَّصِفَ لِیْ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَخْمًا مُّفَخَّمًا يَتَلَاْلَاُ وَجْهُهٗ تَلَاْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهٗ فَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَبَقَنِیْ اِلَيْهِ فَسَاَلَهٗ عَمَّا سَاَلْتُهٗ عَنْهُ وَوَجَدْتُهٗ قَدْ سَاَلَ اَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهٖ وَعَنْ مَخْرَجِهٖ وَ شَكْلِهٖ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَاَلْتُ اَبِیْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی مَنْزِلِهٖ جَزَّءَ دُخُوْلَهٗ ثَلَاثَةَ اَجْزَآءٍ جُزْءً لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَجُزْءً لِاَهْلِهٖ وَ جُزْءً لِنَفْسِهٖ ثُمَّ جَزَّءَ جُزْءَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَی الْعَامَّةِ وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَ كَانَ مِنْ سِيْرَتِهٖ فِیْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِيْثَارُ اَهْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِهٖ وَقَسْمُهٗ عَلٰی قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِی الدِّيْنِ فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَ مِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ وَ مِنْهُمْ ذُو الْحَوَآئِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَ يَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ مَّسْاَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِیْ يَنْبَغِیْ لَهُمْ وَ يَقُوْلُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَآئِبَ وَاَبْلِغُوْنِیْ حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُذْكَرُ عِنْدَهٗ اِلَّا ذٰلِكَ وَلَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهٗ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَ يَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً يَعْنِیْ عَلَی الْخَيْرِ قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ مَخْرَجِهٖ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِيْمَا يَعْنِيْهِ وَ يُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ وَ يُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيْهِ عَلَيْهِمْ وَ يُحَذِّرُ النَّاسَ وَ يَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّطْوِیَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُ بِشْرَهٗ وَ خُلُقَهٗ وَ يَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ وَ يَسْاَلُ النَّاسَ عَمَّا فِی النَّاسِ وَ يُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَ يُقَوِّيْهِ وَ يُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلِفٍ لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَّغْفُلُوْا اَوْ يَمَلُّوْا لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهٗ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهٗ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ عِنْدَهٗ اَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً وَ اَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَّمُوَازَرَةً قَالَ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰی

ذِكْرٍ وَ إِذَا انْتَهٰى إِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَ يَأْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيبِهِ لَا يَحْسَبُ جَلِيسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتّٰى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَ مَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَ خُلُقُهُ فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَ صَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَ حَيَاءٍ وَ صَبْرٍ وَ أَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيهِ الْأَصْوَاتُ وَ لَا تُؤْبَنُ فِيهِ الْحُرَمُ وَ لَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِينَ يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِينَ يُوَقِّرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ وَ يَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ وَ يُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ وَ يَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا، بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابو ہالہ زوج حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبد اللہ تھی۔ انہوں نے یہ روایت ابو ہالہ سے اور انہوں نے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کی۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا' وہ حضور اکرم ﷺ کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے ان کے سننے کا اشتیاق تھا تو انہوں نے میرے پوچھنے پر حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ بلند پایہ بلند مرتبہ تھے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل گزر چکا ہے) بیان فرمایا، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصے کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سن لی ہو بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور اکرم ﷺ کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے، یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے۔ مثلاً ان سے ہنسنا بولنا بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے، پھر اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے' اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت میں داخل ہوتے، ان خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے۔ ان لوگوں سے کسی چیز کو اٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی دین کے امور میں نہ دنیوی منافع میں۔ غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے) اُمت کے اس حصہ میں آپ ﷺ کا یہ طرز تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے۔ اس وقت کو ان کے فضلِ دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے اور ان کو ایسے اُمور میں مشغول فرماتے، جو خود ان کی اور تمام اُمت کی اصلاح کے لئے مفید اور کار آمد ہوں۔ مثلاً ان کا دینی اُمور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے سوالات کرنا اور ان علوم و معارف کے بعد حضور ﷺ یہ بھی فرما دیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی اُمور کو غائبین تک بھی پہنچا دیں اور نیز ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پردہ یا دوری یا شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچایا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے۔ تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی اُمور کو حضور اقدس ﷺ صحابہؓ سے

خوشی سے سنتے تھے، اس کے علاوہ لایعنی اور فضول باتیں حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں دینی اُمور کے طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور بلا کچھ چکھے وہاں سے نہیں آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے ہدایت اور خیر کے لئے مشعل اور راہنما بن کر نکلتے تھے کہ وہ ان علوم کو حسب ارشاد دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حضور ﷺ ضروری اُمور کے علاوہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے۔ آنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے، ان کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں فرماتے تھے۔ ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے۔ لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید سے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے۔ اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے۔ لوگوں کے حالات، آپس کے معاملات تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل فرماتے اور روک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلوّن اور گڑبڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا، کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے اُکتا جائیں۔ ہر کام کے لئے آپ ﷺ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امرِ حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے، نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا، جس کی خیر خواہی عام ہو یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔ آپ ﷺ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا، جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں

نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر نہ جایا کریں۔ یہ امر جداگانہ ہے کہ جس جگہ حضور ﷺ تشریف رکھتے وہی جگہ پھر صدرِ مجلس بن جاتی۔ آپ ﷺ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشاشت اور بات چیت میں جتنا استحقاق ہوتا، اس کو پورا فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں، جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اکرم ﷺ اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہی خود اُٹھنے کی ابتدا کرے، جو آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگتا، آپ ﷺ اس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے، آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔

آپ ﷺ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ ﷺ کی مجلس، مجلسِ علم و حیا اور صبر و امانت تھی نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اُتاری جاتی تھی۔ اُس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شمار کیے جاتے تھے (حسب نسب کی بڑائی نہ سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی، ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا، بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہلِ حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔

حدیث باب اور محدثین کا وتیرہ :

قال الحسن ...... یہ وہی طویل حدیث ہے، جس امام ترمذیؒ نے بھی عام محدثین کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ شمائل کے آغاز میں باب اوّل کی ساتویں حدیث میں اس کا ابتدائی حصہ نقل ہوا ہے

اور وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس باب میں بھی امام ترمذیؒ نے وہی حصہ نقل کیا ہے، جو توضیع سے متعلق ہے۔ مضمونِ حدیث تو ترجمۃ الباب میں واضح کر دیا ہے۔

تحصیلِ علم میں فضل وتفوق کی مساعی محمود ہیں :

اب سوال یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ سے طویل عرصہ تک اس حدیث کو کیوں چھپائے رکھا۔ شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ یہ زمانہ طالب علمی کا تھا۔ غرض علمی تفوق اور علمی برتری تھی۔ و ذلک محمود (اور یہ سراہا جاتا ہے) اور یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ من حفظ فهو حجة على من لم يحفظ. (کہ جس نے یاد کیا وہ غالب ہو جاتا اس پر جس نے یاد نہیں کیا) زماناً / فيه احتمال أن هذا الكتمان كان قصداً كما يحتمل أن يكون اتفاقاً. (اتحافات ص ۳۶۳) (میں نے اس سے ایک زمانہ تک چھپائے رکھا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ امام حسنؓ کا چھپانا قصداً اور ارادہ سے ہوا اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے یہ اتفاقیہ طور پر ہو گیا ہو) مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا کہ حضرت حسینؓ پہلے سے سب کچھ یاد کر چکے تھے۔ شیخ ابراہیم الیجوریؒ فرماتے ہیں، ليختبر اجتهاده في تحصيل العلم بحلية جده أو ليتنظر سؤاله عنها لأن التعليم بعد الطلب أثبت و أرسخ في الذهن (مواهب ص ۲۳۲) (امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لئے چھپایا کہ مجھے اس سے یا تو اپنے نانا جان کے شکل وصورت کے معلوم کرنے کے متعلق اس کی کوشش کا امتحان اور جانچنا مقصود تھا اور یا اس لئے کہ (امام حسینؓ) کا آپ ﷺ کے حلیہ کے متعلق خود پوچھ لینے کا انتظار تھا اس لئے کہ کسی دوسرے کو طلب کے بعد بتلانا اور تعلیم دینا اس کے ذہن میں زیادہ راسخ ہو جانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے)

ظاہری جمال کے ساتھ عظمت وجلال :

فخما مفخما اي عظيماً في نفسه و معظماً عند الخلق أو كونه عظيماً عند الله معظماً عند الناس۔ (مواهب ص ۲۳۱) یعنی حضور اقدس ﷺ خود بھی شان و عظمت والے اور دوسروں کی نظر میں بھی صاحب قدر تھے، بڑے مرتبہ والے، وجاہت

والے اور پُر وقار تھے۔ اسی طرح لوگوں کی نگاہ میں بھی عظمت و شان اور ہیبت و رعب والے معلوم ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی عظمت، رعب و دبدبہ دلوں میں گھر کرتا تھا، گو کہ بظاہر جسامت وقدامت معتدل تھی، مگر اللہ کی طرف سے دی ہوئی ایک ہیبت وعظمت تھی، جو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ بدرجہ کمال جلوہ گر تھی۔

شكله ا والمراد بالشكل هنا اي طريقته في اصحابه جاء في كتب اللغة أن الشاكلة والشكل الطريقة والمذهب وليس المراد هنا الصفة والصورة ۔ (اتحافات ص ۳۶۳) اي هيئته و طريقته الشامل لمجلسه فدخل في السؤال عن الشكل السؤال عن مجلسه الآتي. (مواهب ص ۲۳۲) (اور یہاں شکل سے مراد آپ ﷺ کا طور طریقہ اپنے صحابہؓ کے بارے میں)

کتب لغت میں ذکر ہے کہ لفظ شاکلة اور شکل سے مراد طریقہ اور مذہب ہے اور یہاں ان سے صفت اور صورت مراد نہیں ہے۔ یعنی آپؐ کا طور طریقہ (برتاؤ) جو آپ ﷺ کی محفل مجلس کو بھی شامل ہے اس لئے کہ شکل سے سوال کرنے میں تو اس کی آئندہ مجلس سے سوال واستفسار بھی داخل ہوا)

تقسیم اوقات کا اہتمام :

جزأ دخوله لله اجزاء ..... یعنی اپنے دخولِ دار کے زمانہ کو تین حصوں میں تقسیم فرما دیتے جزءً لله اي للعبادة والتهجد (اتحافات ص ۳۶۳) و الفكر في مصنوعاته (مواهب ص ۲۳۲) یعنی ایک حصہ نماز، ذکر الٰہی، تسبیح، تہلیل، عبادت و تہجد کے لئے مقرر فرماتے اور اس حصہ میں اپنے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ و جزء لاهله یعنی ضروریاتِ اہل خانہ، حسنِ معاشرت اور ان کے ساتھ اختلاط کے لئے مخصوص فرماتے ..... اي لمؤانستهن و عشرتهن و مراعاة حقوقهن فقد كان خير الناس لاهله۔ (اتحافات ص ۳۶۳) (اس لئے کہ آپؐ سب لوگوں میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسنِ معاشرت میں بے نظیر تھے)

اُمت کے لئے ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال :

و جزءٌ لنفسه : یعنی ایک حصہ اپنے ذاتی حوائج کے لئے یعنی وضو غسل دیگر حوائج ضروریہ بشری وفطری تقاضوں اور آرام وغیرہ کے لئے مختص فرماتے، پھر وقت کا یہ حصہ جو اپنے لئے مختص فرمایا ہوتا، اسے بھی دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے۔ ایک حصہ اپنے لئے اور ایک حصہ اُمت کی فلاح واصلاح کے لئے۔ صرف موجود وحاضرین ہی کی فکر نہ فرماتے، بلکہ قیامت تک آنے والے اپنے امتیوں کے لئے بھی حصہ وافر نکالتے۔ شیخ ابراہیم الباجوری نے بھی یہی لکھا ہے کہ ثم قسم جزءه الذی جعله لنفسه بینه و بین جمیع الناس سواء من کان موجوداً و من سیوجد بعدهم إلی یوم القیامة بواسطة التبلیغ عنه (مواہب ص ۲۳۲) (پھر وہ حصہ جو اپنی ذات کے لئے مختص ہوتا اس کو اپنے اور سب لوگوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے چاہے وہ لوگ جو اس وقت موجود تھے یا جو قیامت کے دن تک موجود ہونے والے تھے بصورت آپ ﷺ کی طرف سے ان تک پہنچانے کے) یہ اُمت کے لئے قربانی اور ایثارِ وقت کی ایک نادر مثال ہے۔

خاص وقت بھی خواص کے لئے وقف کر دیا تھا :

فیرد ذالک بالخاصة علی العامة 'پھر جو وقت لوگوں کے لئے مخصوص ہوتا اس دوران میں آپ ﷺ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ خواص سے مراد اکابر صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ ہیں۔

جیسے صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ و المراد بالخصوص ' الخلفاء الاربعة و کبار الصحابةؓ (اتحافات ص ۲۶۳) یعنی خصوصی صحابہ کرامؓ اس وقت خاص میں داخل ہوتے پھر ان خواص کے ذریعہ سے دینی مضامین علوم ومعارف اور مسائل واحکام عوام تک پہنچتے ای ان هؤلاء الخواص یبلغون عنه مایسمعون منه (اتحافات ص ۲۶۳) (کہ یہ خواص حضرات جو کچھ بھی حضور ﷺ سے سن لیتے تو عوام تک اس کو پہنچا دیتے) یہ آپ ﷺ کی عظیم قربانی ہے کہ اپنے آرام کا حصہ بھی علمی افادوں کے لئے وقف فرما دیا تھا۔

نبوی تربیت کے اہداف :

اس وقت خاص میں صحابہ کرامؓ علم وحکمت' اسرار ومعارف' اصلاح احوال اور تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے۔ یا تبلیغ کے امور سیکھنے کے لئے آتے، ان کے لئے خاص وقت مقرر فرما کر انہیں علم وحکمت سے بہرہ ور فرماتے، اسرار ومعارف سے ان کے سینوں کو منور فرماتے، تزکیہ باطن سے ان کے قلوب کو تجلیات الٰہی کا مرکز بنا دیتے۔ اصلاح احوال فرما کر اخلاق حسنہ سے آراستہ فرماتے۔ اُمور تبلیغ سکھا کر ان کو توحید و رسالت کا داعی اور مبلغ بناتے۔

نصیحت وہدایت میں سخاوت :

ولا یدخر .... تقسیم علوم ومعارف میں بخل نہ فرماتے اور عوام وخواص سے علوم ومعارف نہ چھپاتے عنهم : ای عن العامة او عن الخاصة لم تصل الی العامة او عنهما او عن الناس ' شیئاً : ای مما یتعلق بهم و فیه نفع لخصوصهم او عمومهم۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۳) (حدیث کے جملہ ولا یدخر عنهم میں هم ضمیر کے مرجع کے متعلق ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یا تو اس کا مرجع صرف العامة ہے یا پھر صرف الخاصة یا پھر دونوں ہیں اور یا پھر لفظ الناس ہے یعنی آپ ﷺ چھپائے نہ رکھتے عام لوگوں سے یا خاصہ سے پھر ان کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچ جاتی یا پھر دونوں (عامہ اور خاصہ) نہیں چھپاتے تھے یا یہ کہ آپ ﷺ لوگوں سے نہیں چھپاتے کوئی ایسی چیز جو ان سے متعلق ہوتی تھی اور ان میں یا تو خاص لوگوں یا پھر عام لوگوں کا نفع اور فائدہ ہوتا تھا) یعنی اُمت کی نصح وخیر خواہی کی ہر بات ان پر واضح فرماتے' ای لا یخفی عنهم شیئاً من تعلقات النصح والهدایة (مواہب ص ۲۳۲)

خواص کے خدام اور ہمراز کا مقام :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اساتذہ ومشائخ اپنے خواص' خدام اور ہمراز تلامذہ و مستفیدین سے علوم ومعارف' حکم ومصالح اور اسرار نہ چھپائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مربیین واساتذہ اپنے بعض متوسلین اور تلامذہ میں سے حسب لیاقت وحسب طبعی مناسبت

ان کو خصوصیت و امتیاز کا حق دے سکتے ہیں اور اُن کو اپنی خصوصی توجہ و عنایت اور تربیت کے لئے منتخب کر سکتے ہیں۔ اس میں مساوات ضروری نہیں ہے، وجہ ظاہر ہے کہ طبیعت کا میلان اور رجحان بعض کی طرف ہوتا ہے اور بعض کی طرف نہیں ہوتا۔ دینی مصالح کے پیش نظر لا محالہ ان فطری اُمور کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

اس میں اپنا اپنا طبعی ذوق اور فطری مناسبت ہوتی ہے تو حضور اقدس ﷺ بھی ان حضرات کو ترجیح دیتے، جو صاحب علم و فضل اور مشرف بتقویٰ ہوتے، ایثار اھل الفضل باذنه کی مراد بھی یہی ہے، باذنه کا تعلق ایثار سے ہے کہ اجازت دینے میں اہل فضل کو ترجیح دیتے تھے، جبکہ بعض روایات اُذنـه (بضم الاوّل) آیا ہے، بمعنیٰ سننے میں ارباب فضل و کمال کو ترجیح دیتے تھے۔

فرقِ مراتب :

حقوق عامہ کی ادائیگی میں تو مساوات ہوتی تھی۔ اس میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ارشاد ہے، المِنی مناخ من سبق '(جس نے سبقت کی یعنی (پہلے گیا) منیٰ اس کا مناخ ہے (یعنی اونٹوں کی بٹھلانے اور خیمے لگانے کی جگہ ہے) اس نوعیت کے حقوق مشترکہ اور حدود مشترکہ میں عوام و خواص' حکمران و محکوم' اور آقا و غلام سب برابر ہوتے تھے۔

البتہ ان کے فضل و علم' صلاح و تقویٰ اور رتبہ و درجہ میں مساوات قرینِ قیاس نہیں، بلکہ حماقت ہے۔ گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی معیار ترجیح میں تین اُمور کی تعیین فرمائی تھی۔ (۱) فضل و تقدیم (۲) احتیاج و حاجتمندی (۳) کارکردگی جیسا کہ ابوداؤد کی کتاب المغازی میں منقول ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا،

و قسمه علی قدر فضلهم فی الدین : یعنی علی قدر مراتبهم فی الدین من جهة الصلاح و التقوی لامن جهة الاحساب و الانساب أو المراد علی قدر حاجاتهم فی الدین ویلائمه قوله فمنهم ذوالحاجة ... (مواہب ص۳۲۳) (پھر اصحاب علم و فضل میں بھی ان کے صرف دینی مراتب (صلاح و تقویٰ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب درجات ان کی ترجیح

و تقدیم فرمایا کرتے نہ کہ بلحاظ حسب و نسب کے یا پھر یہ تقسیم و ترجیح ان کی حاجات و ضروریات دینیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتے اور اسی کے ساتھ ملائم و مناسب ہے اس کا یہ قول کہ فمنهم ذوالحاجة الخ (کہ بعض ان میں ایک حاجت والا ہوتا اور بعض کی دو حاجتیں اور بعض کی کئی حاجتیں ہوتی تھیں)

یہ ترجیح و تفضیل کا معاملہ حسب و نسب کی وجہ سے نہیں صلاح و تقویٰ کی بنیاد پر تھا اور قرآن نے بھی یہی اُصول مقرر فرمایا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے' جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)

جماعتِ صحابہؓ کی تربیت کا خاص اہتمام :

بہرحال حضور اقدس ﷺ اس خاص وقت میں اپنے گھر میں استفادہ کرنے کے لئے مذکورہ صفات کے حامل خواص کو عوام پر ترجیح دیتے، جو آپ ﷺ کی صحبت بابرکت اور استفادہ سے زیادہ سے زیادہ فیوض و برکات حاصل کرتے۔ علوم و معارف سے خوب حصہ وافر پاتے اور صاحب صلاح و تقویٰ کے مقام پر فائز ہو جاتے۔ اُن کی اس محنت' طلب' ذوق علم اور شوق تبلیغ کو دیکھ کر آپ ﷺ ان سے کچھ بھی پوشیدہ نہ فرماتے اور تمام اسرار و رموز سے آگاہ فرماتے، جو کچھ بھی دریافت فرماتے، آپ ﷺ ان کو جوابات مرحمت فرما کر مطمئن کر دیتے۔ یہ حضرات جب مکمل طور پر اسوۂ حسنہ کا پیکر بن جاتے' تو ان کو تدریس و تعلیم اور دعوت و تبلیغ پر مامور فرما دیتے تا کہ وہ عام لوگ جو آپ ﷺ کی صحبت میں نہیں پہنچ سکے، انہیں وہ علوم و معارف اور پیغام و احکام پہنچا دیں اور جس احسن و مناسب اور اکمل طریقہ سے ان خواص کی تربیت کی گئی ہے، یہ بھی اسی طریقہ و منہج پر دوسروں کی اصلاح و تربیت کریں۔

مراتب استحقاق میں تفاوت :

فیشاغل بهم ...... کلمۂ "فا" تفصیل کے لئے ہے اور یہ مراتب استحقاق میں تفاوت کا بیان ہے۔ حوائج سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین سے متعلق ہوں، یعنی بعض

اہل علم وفضل کو ایک حاجت درپیش ہوتی، بعض کو دو بعض کو زیادہ ملا علی قاریؒ مسائل کے عموم کے قائل ہیں فرماتے ہیں، والحاجات اعم من الدنیویۃ والاخرویۃ (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) اور عام حاجتیں عام ہیں چاہے دنیاوی ہو یا اخروی)

پس حضور اقدس ﷺ ان کے ساتھ حسب حاجت وضرورت اور حسب مراتب مشغول رہتے ان کی بات سنتے اور پھر سمجھاتے۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ..... ای بقدر الحاجۃ و من بعدھم فیشتغل بھم و یشغلون بہ علی قدر حاجتھم۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۴)

علمی بحث و مذاکرہ کی ترغیب :

ویشغلھم ..... یعنی آپ ﷺ حاضرین ومستفیدین کو بھی ایسے معاملات علمی تحقیق، بحث و مذاکرہ میں مشغول رکھتے، جو خود ان کے لئے پوری اُمت کے لئے اصلاح وفلاح دینی، دنیوی، اخروی اور ترقی وکمال کا باعث ہوتے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای یشغلھم بالامر الذی یصلحھم فی دینھم و دنیاھم واخراھم۔ (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) والامۃ: یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے، سواء کانت الامۃ امۃ الدعوۃ والاجابۃ او الاعم منھما (جمع ج ۲ ص ۱۷۴) (چاہے امت اجابت ہو یا امت دعوت اور چاہے ان دونوں سے بھی عام ہو) ای یصلح الامۃ فلا یدعھم یشتغلون بما لا یعنیھم (مواہب ص ۲۳۳) بل یشغلھم بما یصلحھم والامۃ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۴) (امت کی اصلاح فرمایا کرتے یعنی ان کو لایعنی اور فضول باتوں میں مشغول رہنے کے لئے نہیں چھوڑتے بلکہ ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جن سے ان کی اور ساری امت کی اصلاح ہو جائے)

من مسئلتھم عنہ ' یعنی وہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کرتے اور آپ ﷺ ان کو ان کے مناسب حال جواب مرحمت فرماتے، یعنی آپ ﷺ ان کو وہ احکام تلقین فرماتے، جن کی اُن کو اس وقت ضرورت ہوتی تھی اور جو ان کے احوال، زمان، مکان ومقام کے مناسب ہوتے تھے اور ان کو ایسے معارف سے بہرہ ور فرماتے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہوتے۔ سائلین کے اختلاف احوال کی وجہ سے آپ ﷺ کی وصایا،

ہدایات اور تعلیمات بھی مختلف نقل ہوئی ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا حضرت! مجھے وصیت فرماویں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا، استحی من اللہ کما تستحی من رجل صالح من قومک 'جس طرح اپنی قوم کے ایک صالح مرد سے حیا کرتے ہو، اللہ سے بھی اسی طرح حیا کرو۔ دوسرے نے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا'' لا تغضب '' یعنی غصہ نہ کیا کرو اس طرح کے متعدد نظائر کتب حدیث میں منقول ہیں۔

(ملخصاً از مواہب ص ۲۳۳)

غائبین کی فکر :

ویقول لیبلغ الشاھد ..... ارشاد فرمایا، جو لوگ یہاں تحصیل علم کے لئے اور حاجات بیان کرنے کے لئے حاضر نہیں ہو سکے، حاضرین یہ علوم و معارف دوسروں تک پہنچادیں تاکہ وہ بھی محروم نہ رہیں۔ فالشاھد الصحابی الاکبر و الغائب الاصغر او الشاھد الصحابی والغائب التابعی او الشاھد العالم والغائب الجاھل او الشاھد الحضری والغائب البدوی او الشاھد السامع والغائب من لم یسمع وھذا اوکد و انفع ثم ھذا بیان لجعلھم مشغولین بما یصلح الامۃ فانہ لما اجابھم بما ینبغی لھم شغلھم بما یصلحھم ولما اوصی بالتبلیغ شغلھم بما یصلح الامۃ (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ حدیث میں مذکور جملہ ویقول لیبلغ الشاھد منکم الغائب (کہ تم میں سے شاہد غائب کو پہنچاوے) میں لفظ شاہد اور غائب کی ممکنہ توجیہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شاہد سے مراد بڑا صحابی اور غائب سے مراد چھوٹا صحابی یا شاہد سے مراد صحابی اور غائب سے مراد تابعی۔ یا پھر شاہد سے مراد عالم اور غائب سے مراد جاہل۔ یا شاہد سے مراد شہری اور غائب سے مراد دیہاتی اور جنگلی۔ یا شاہد سے مراد سننے والا اور غائب سے مراد جس نے نہیں سنا۔ اور یہ تعمیم زیادہ نافع اور مفید ہے۔ پھر یہ سب کچھ بیان ہے ان کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے کا جس سے پوری امت کی اصلاح ہو۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے ان کو ایسے امور بتلائے جو ان کے لئے مناسب اور ضروری ہیں تو ان کو ایسے کاموں میں مشغول کر دیا جن سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور جب ان کو دوسروں تک پہنچانے کی وصیت اور تاکید بھی کر دی تو ان کو گویا ایسے کاموں میں مشغول فرمادیا جس سے پوری امت کی

اصلاح ہو جائے گی)

خدمت علم وخلق کا اجر وثواب :

و ابلغونی ...... بوجہ بیماری یا بسبب دوسری مسافت یا کسی اور عذر یا کسی وجہ سے جو مستحقین' کمزور' غرباء' بیوائیں' ضعفاء' خواتین' یتامیٰ اور حاجتمند مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اور جائز ضروریات پیش کرنے کے لئے حکام وقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے . تو مجھ سے قریب اور خاص تربیت حاصل کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیوی حاجات مجھ تک پہنچائیں ۔ مجھے ان کی تکالیف سے خبردار کریں تاکہ میں انہیں حل کروں اور ان کی تکالیف دور کر سکوں اور تمہیں اس پر اللہ پاک اجر دے گا کہ قیامت کے روز تم ثابت قدم رہو گے ۔ ثبت اللّٰہ قدمیه علی الصراط یوم القیامة یوم تزل الأقدام دینیة کانت الحاجة او دنیویة ۔ (مواہب ص ۳۴۳) (اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو قیامت کے دن پل صراط پر ثابت قدمی عنایت فرما دیں گے جس دن قدم پھسلیں اور ڈگمگائیں گے ۔ وہ حاجت اور ضرورت چاہے دینی ہو یا دنیوی)

دربار نبوت' علم وخدمت کا مرکز :

ولا یذکر عنده الا ذلک یعنی بارگاہ نبوت میں انہی اور ایسی ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا ۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خدام علوم ومعارف اور خدمت خلق میں مصروف رہتے تھے ۔ ولا یقبل من احد غیره تہذیب اخلاق تزکیہ نفس' علم ومعرفت الٰہی کی گفتگو کے سوا اور کوئی فضول اور بے فائدہ باتیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں یا تو صاحبان حوائج اپنی یا دوسروں کی ضروریات عرض کرتے' ای ولا یقبل من احد غیر المحتاج الیه فهو توکید للکلام الذی قبله . (مواہب ص ۳۴۳)

یدخلون روّاداً : بتشدید الواو : جمع رائد' وهو فی الأصل من یتقدم القوم . والرواد هنا أکابر الصحبة " (اتحافات ص ۳۶۲) (رواد کا لفظ واؤ کی تشدید کے ساتھ رائد کی جمع ہے اور رائد کا اصلی اور لغوی معنی قوم کا بڑا ' سردار اور قائد ۔ یہاں رواد سے مراد

اکابر صحابہؓ ہیں ۔ یہاں رواد سے مراد اکابر صحابہؓ ہیں) رائد اس رہنما کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے آگے جائے ' لینظر لهم الکلاء و مساقط الغیث (جمع ج ۲ ص ۱۷۵) (تاکہ ان کے لئے گھاس چارہ اور پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے) یہاں خواص صحابہ کرامؓ کے لئے مستعار لیا گیا جو جمیع اُمت کے لئے بمنزلہ رواد کے تھے ۔

اکرام ضیف کا اہتمام :

ولا یفترقون ...... یعنی وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بارگاہِ علم وعطا سے جدا نہیں ہوتے تھے ' جب تک تحصیل علم وحاجت کی تکمیل نہ ہو جاتی ۔ ذواق میں چکھنا ہے ۔ جو علمی و دینی بھی ہو سکتا ہے اور دنیوی وحسی بھی ہو سکتا ہے ' یعنی افادہ علمی بھی اور دعوت حسی بھی ' جو بھی ہو اخلاق کریمانہ کا مظہر اتم ہے ۔

ذواق : ای فعال بمعنی مفعول ای ذوق طعام حسی غالباً و روحانی من العلوم و المعارف دائما فهو لارواحهم بمنزلة الادام لاجسادهم فعلی الاوّل التنکیر للتقلیل لما عرف مما کانوا علیه من قلة العیش و علی الثانی للتعظیم و عن بمعنی بعد نظیره لترکبن طبقا عن طبق (مناوی ج ۲ ص ۱۷۵) (علامہ مناویؒ ذواق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذواق بروزن فعال کے بمعنی مفعول کے ہے یعنی ظاہری اور حسی کھانے کا چکھنا غالباً یا پھر روحانی غذا یعنی علوم ومعارف دائمی کی تقسیم کرنا ۔ پس یہ علوم وغیرہ ان کے ارواح کے لئے ایسے ہوئے جیسے کہ ان کے اجساد کے لئے سالن ۔ پس پہلی صورت (طعام حسی) پر ذواق کی تنکیر تقلیل کے لئے ہوئی جیسے کہ صحابہؓ کی تنگی عیش مشہور ومعروف ہے اور دوسری صورت (روحانی طعام) تو پھر ذواق کی تنکیر تعظیم کے لئے ہوگی ۔ اور لفظ عن بمعنی بعد کے ہوگا جیسے کہ (قرآن مجید کی آیت) لترکبن طبقاً عن طبق میں بھی عن بمعنی بعد کے ہے)

درسگاہِ نبوی کے فضلاء :

ویخرجون من عنده ادلة : جمع دلیل ای علماء یدلون الناس علی ما

علموا من الخیر (لفظ ادلۃ دلیل کی جمع ہے یعنی وہ حضور ﷺ کے پاس سے ایسے علماء بن کر نکلتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے علم سیکھا ہے لوگوں کو اس کی رہنمائی کرتے ہیں) الخیر سے مراد علم، عمل ارادۂ خیر اور زہد و تقویٰ ہے۔ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ جب آپ ﷺ کی توجہات عالیہ کی برکات سے بہرہ ور ہو کر باہر آتے تو لوگوں کے لئے شمع ہدایت ہوتے۔ علم و عمل سے آراستہ ہوتے۔ سنت نبویہ کا نمونہ ہوتے۔ لوگ ان بابرکت ہستیوں سے تہذیب نفس، تزکیۂ باطن، اخلاقِ حسنہ اور علم و معرفت الٰہی حاصل کرتے۔ حضور اقدس ﷺ کو بھی ان کی سچی طلب اور اپنی تربیت پر اعتماد تھا۔ اس لئے ارشاد فرمایا اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (جمع ج۲ص۱۷۶) (میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء و تابعداری کرو گے ہدایت پر ہو جاؤ گے۔

بعض روایات میں أذلۃ نقل ہوا ہے..... والمعنی علیہ یخرجون من عندہ، حال کونھم متذللین متواضعین (مواہب ص۲۴۳) (اور اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ حضور ﷺ کے پاس سے متواضع اور عاجز ہو کر نکلتے ہیں (ان میں غرور و تکبر بالکل نہیں ہوتا))

زبان مبارک کی حفاظت کا اہتمام :

قال فسألتہ عن مخرجہ ...... حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بیرونِ گھر کے مشاغل کیا ہوتے تھے، کیف کان یصنع فیہ یعنی بیرون دار آپ ﷺ کی سیرت، طرزِ زندگی اور اعمال روزیہ کیسے ہوا کرتا تھا۔

یخزن لسانہ الا فیما یعنیہ : یخزن، نصر کے باب سے ہے، بمعنی جمع کرنے کے، محفوظ کرنے کے ای یحبسہ و یضبطہ (مواہب ص۲۴۴) فیما یعنیہ یعنی اہم، مقصد کی بات اور ضروری بات کرتے تھے۔ خاموش رہتے لایعنی اور فضول باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، بغیر نفع مخلوق اور انسانیت کے فائدے کی بات کے دوسری گفتگو نہ فرماتے، جیسا کہ آپ ﷺ کی تعلیم بھی یہی ہے من کان یومن باللہ والیوم

الآخر فلیقل خیرا أو لیصمت (مواہب ص۲۴۴) (جو شخص اللہ اور یوم آخرت کا یقین رکھتا ہو تو چاہیے کہ بھلائی اور خیر کی بات کہے یا پھر خاموش رہے)

دعوتِ محبت و تالیف قلوب :

ویؤلفھم ولا ینفرھم یعنی حضور اقدس ﷺ ان کی تالیف قلوب فرماتے اور انہیں اپنے سے مانوس فرماتے۔ ایسی روش، ایسے اخلاق، ایسے شفقت اور اس طرح کمال محبت اختیار فرماتے کہ لوگوں میں آپ ﷺ سے نفرت کے جذبات پیدا ہی نہ ہو سکیں اور ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے کہ لوگ آپ ﷺ سے متوحش اور متنفر ہو جاتے۔

یہ آپ ﷺ کا کمال حلم اور کمالِ تواضع تھا اور قرآن کی اسی آیت کا مصداق اتم تھے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران:۱۵۹) (اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے) اور حدیث میں آیا ہے بشّروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا (جمع ج۲ص۱۷۶) ((امراء کو حکم ہے) کہ لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور ان کو نفرت نہ دلاؤ ان پر آسانی اور نرمی کیا کرو اور ان کے لئے امور و احکام کو مشکل نہ بناؤ)

شرفاءِ قوم کا اکرام :

ویکرم کریم کل قوم ویولیہ علیھم، ہر قوم کے شرفاء اور رؤساء کی تکریم و تعظیم فرماتے جو اس کے شایانِ شان جو اکرام مناسب ہوتا کر گذرتے، پھر اُمت کو بھی یہی تعلیم اور یہی ہدایات فرمائیں کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ و ھو افضلھم دینا و نسباً وحسباً (لہ طرق کثیرۃ کاد ان یکون متواترا) (جمع ج۲ص۱۷۶) (جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز اور شریف شخص تشریف لائے تو تم ان کی عزت و تکریم کیا کرو۔ کیونکہ وہ ان میں سے دین اور حسب و نسب کے لحاظ سے افضل ہوتا ہے (اس حدیث کے مختلف اسناد ہے جو تواتر کے قریب ہے))

و یولیہ علیھم ای یجعلہ والیاً ای حاکماً علیھم وھذا من تمام حسن نظرہ

وعظيم تدبيره اذا لقوم اطوع لكبيرهم واخوف منه مع ما فيه من الكرم الموجب للرفق بهم ولاعتدال امره معهم ۔(مناوی ج ۴ ص ۱۷۷)(اور آپ ﷺ اس معزز شخص کو اپنی طرف سے ان پر حاکم اور متولی بنا دیتے تھے ۔اور یہ بات آپ ﷺ کے حسن تدبیر اور گہری نظر اور سوچ کا نتیجہ ہی ہوتا تھا اس لئے کہ قوم اپنے بڑے اور سردار کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس سے خوف میں بھی رہتی ہے باوجویکہ اس میں بخشش وفیاضی کی صفت بھی ہے جو کہ نرم دلی اور اعتدال فی الامور کا سبب ہوگا)

یحذر الناس کا معنٰی :

ویحذر الناس علامہ مناویؒ نے اس کے متعدد معانی کئے ہیں ،(۱) لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتے' اور اس کی اطاعت پر ابھارتے ای یخوفهم من عذاب الله و اليم عقابه و يحثهم على طاعته (مناوی ج ۴ ص ۱۷۷)(۲) ویحذر الناس الفتن (جمع ج ۲ ص ۱۷۷) لوگوں کو فتنہ فساد افتراق وانتشار سے بچنے کی تاکید فرماتے (۳) یا معنٰی یہ ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے شر سے بچنے اور کام وکاروبار میں لوگوں سے حزم واحتیاط کی تاکید فرماتے تھے' ای یحذر بعض الناس من بعض یامرهم بالحزم. (مناوی ج ۴ ص ۱۷۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجیہہ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اس لفظ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں ۔بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے ۔حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے ،جس کی توضیح یہ ہے کہ بلا وجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے ،لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے ۔احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے ۔ابوداؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا ارادہ کیا اور ایک صحابی ابن اللغواءؓ کو مال لے جانے کے لئے تجویز

فرما کر کہہ دیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تلاش کرلیں ،وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کو تلاش کر رہے ہو ،میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

ابن اللغواءؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا ۔حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے ،انہوں نے پتہ بتادیا ۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اس سے محتاط رہنا ،اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنے بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا ۔ابن اللغواءؓ کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے ،جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں ،تم میرا انتظار کرنا ،میں نے کہا کیا مضائقہ ہے ۔اس کے جانے کے بعد مجھے حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا ،میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کرکے چل دیا ۔تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آرہا ہے مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی چلا گیا ۔اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے ،اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور اکرم ﷺ سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے ،اسی لئے یہی معنی بہتر ہیں ۔(خصائل ۲۹۴)

طبعی رجحان یکسوئی کا تھا :

ویحترس منهم یعنی آپ ﷺ خود کو لوگوں سے یکسو رکھتے تھے ،مگر باوجود اس یکسوئی کے ہر ایک کے ساتھ خندہ روئی اور خوش خلقی میں کمی نہیں آنے دیتے تھے ۔

لوگوں سے بے تکلفی میں حزم واحتیاط :

ای یحفظ نفسه من اذاهم او من نفورهم (جمع ج ۲ ص ۱۷۷)(یعنی اپنے نفس کو ان کی تکالیف اور نفرتوں سے محفوظ رکھا کرتے)۔

شیخ عبد الرؤفؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کثرت مخالطت ومخاطبت ،تعلیم وتربیت وتوجہ وعنایات کے باوجود بھی انتہائی بے تکلف نہیں ہو پاتے تھے ۔بلکہ اپنے تحفظ کو برقرار

رکھتے ہوئے محتاط رہا کرتے ای یتحفظ من کثرة مخاطبهم الموذیة الی سقوط هیبته و جلالته من قلوبهم لکن لایفرط فی ذلک بل یتحرس ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

بارگاہِ نبوت میں مخالفین بھی حاضر ہوتے اور منافقین بھی' مگر آپ ﷺ بڑے باوقار اور عزت و تمکین سے پیش آتے ۔ اُن کی شرارتوں' اور سازشوں کے باوجود آپ ﷺ اپنی عالی ظرفی اور بلند اخلاقی کا اظہار فرماتے' کبھی بھی بدخوئی اور گلہ شکوہ نہ فرماتے ۔ بطوی بمعنی یمنع ہے، بشرة سے مراد چہرے کی طلاقت و بشاشت مراد ہے ۔

یتحرس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید اخلاقی لحاظ سے یہ کسی کمزوری کا اظہار ہو لہٰذا اکنه بقوله ولا خلقه (جمع ج ۲ ص ۱۷۷)(اس لئے اس کی تاکید ولا خلقه سے کر دی (یعنی یہ مطلب کہ باوجود محتاط رہنے کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے)

احباب کی خبر گیری کا اہتمام :

ویتفقد اصحابه یعنی اپنے احباب کی خبر گیری فرماتے یعنی وہ احباب جو حاضر باش ہوتے' ہمیشہ تحصیل علم' و طلب حاجت کے لئے آتے یا مسجد میں نماز پڑھنے آتے یا قریبی احباب و اہل محلہ ہوتے' تو ان کی غیوبت کی صورت میں ان کا حال احوال دریافت فرماتے' پھر اگر کوئی بیمار ہوتا تو عیادت فرماتے' مسافر ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے یا انتقال کر چکا ہوتا تو دعائے مغفرت کا اہتمام فرماتے'

علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں فان کان احد منهم مریضاً عاده او مسافرا دعاله او میتاً استغفرله ۔ (مواہب ص ۲۳۳)

عام لوگوں کی خبر گیری :

ویسأل الناس ... یعنی حضور اقدس ﷺ لوگوں کے آپس کے معاملات' ان کے حالات و اخبار کی تحقیق فرماتے ، اگر رنجشیں ہوتیں' مشکلات و حاجات ہوتے' تو ان کی اصلاح فرماتے' اچھی باتوں' عمدہ حالات اور اخلاق حسنہ کی تحسین اور تقویت فرماتے اور انہیں برقرار رکھتے اور اگر کوئی برا واقعہ' معاملہ یا قصہ ہوتا تو اسے برائی اور مضرت سے آگاہ

فرما کر اسے زائل کروا دیتے اور اس سے صحابہ کرامؓ کو روک دیتے تھے ۔ اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد اور غرض ان کے عیوب و ذنوب کی تفتیش و تجسس ہرگز مطلوب نہیں ہوتا تھا)

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں ' ای یسأل خاصة اصحابه عما وقع فی الناس لیدفع ظلم الظالم و ینتصر للمظلوم و یقوی جنب الضعیف و لیس المراد انه یتجسس عن عیوبهم و یفحص عن ذنوبهم ۔(مواہب ص ۲۳۳)

علماء اس سے یہ استنباط بھی کرتے ہیں کہ اکابرینِ اُمت' حکمران' علماء' صلحاء اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس طریقہ پر لوگوں کی اصلاح کریں ۔ ان کے حالات و اخبار معلوم کریں ، نیکی کو پھیلائیں اور بدی کو بر وقت زائل کریں ۔ علامہ مناویؒ یہ لکھتے ہیں کہ وهذا ارشاد للحکام الی ان یکشفوا و یتفحصوا بل و لغیرهم ممن کثر اتباعه کالفقهاء والصلحاء والاکابر فلایغفلون عن ذلک لئلا یترتب علیه ماهو معروف من الضرر الذی قد لایمکن تدارک رفعه ۔(مناوی ج ۲ ص ۱۷۷)

اعتدال و میانہ روی :

معتدل الامر غیر مختلف تمام معاملات میں آپ اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا ۔ اعمال کی طرح اقوال میں بھی اعتدال ہوتا تھا ، تلون مزاجی سے نفرت تھی ، صلح کی بات ہو یا جنگ کی' معاملات ہوں یا عبادات' ادائیگی حقوق کا مسئلہ ہو یا طلب حق' میانہ روی اور اعتدال ملحوظ ہوتا تھا ۔

غیر مختلف معتدل الامر کی تاکید ہے یا مستقل جملہ ہے ایسا نہ ہوتا کہ ایک کام لیا اور پھر اس کے پیچھے مستقل پڑ جاتے تھے ، بلکہ تمام معاملات میں جمیع جوانب کا لحاظ کرتے تھے ۔ و حاصل المعنی ان سائر احواله و اقواله علی صفت الاستواء والاعتدال (مناوی ج ۲ ص ۱۷۸)(اس کا حاصل یہی ہوا کہ آپ ﷺ کے جمیع اقوال و افعال ٹھیک اور معتدل طریقہ پر ہوا کرتے تھے)

ولا یغفل ... حضور اقدس ﷺ تبلیغ و ارشاد' تعلیم و تربیت' تنظیم جماعت اور اُمورِ دعوت میں مصروف رہتے' تاکہ حضرات صحابہ کرامؓ دنیاوی اُمور میں الجھ کر عبادت الٰہی

اور اصلاحِ احوال سے سستی اور کاہلی برتنا نہ شروع کر دیں۔ آپ ﷺ اس کیفیت اور اس حال سے کسی بھی وقت بے پروائی نہیں برتتے تھے۔ والمعنی لا یغفل عن مصالحهم من تذکیرهم و ارشادهم و نصحهم و تعلیمهم و امدادهم ۔(منذری ج۲ ص۱۷۸) مخافة ان یغفلوا ای عنها بناءً علی مراعاة المتابعة ۔(جمع ج۲ ص۱۷۸) غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ کی متابعت و تابعداری میں غافل نہ ہو جائیں۔ اصول بھی یہی ہے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں' الناس علی دین ملوکهم۔ مریدین اپنے شیوخ کے طریقوں کو اپناتے ہیں اور تلامذہ اپنے اساتذہ کی پیروی کرتے ہیں، اسی طرح اُمت کو بھی اپنے نبی کی غلامی کرنی چاہئے۔

(۲) او خشية ان یغفلوا عن الاستفادة فیقعوا فی عدم الاستقامة' یعنی اس بات کا بھی اندیشہ رہتا تھا کہ استفادہ سے غفلت ہوئی تو یہ عدم استقامت پر منتج ہوگی او یمیلوا الی الدعة والرفاهية أو یمیلوا الی الملل او یمیلوا عنه و ینفروا' مخافة ! مفعول من اجله ای من اجل حوف غفلتهم ۔(منذری ج۲ ص۱۷۸) (یا ان کا میلان عیش پرستی کی طرف ہو جائے گا اور یا ان کا میلان و رجحان مختلف ادیان و مذاہب کی طرف ہو جائے گا اور یا وہ آپ ﷺ سے یا اس کے دین سے روگردانی اور نفرت کر لیں گے۔ لفظ مخافة ترکیب میں مفعول لہ ہے (یعنی آپ ﷺ ان کی نصیحت سے اس لئے غافل نہ ہوا کرتے تاکہ وہ لوگ کہیں غفلت میں مبتلا نہ ہو جاویں)

ہر چیلنج کے مقابلہ کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے :

لکل حال عنده عتاد ، ہر کام ہر حالت اور ہر قسم کے چیلنج 'صلح' جنگ' عسرت' یُسرت' خوف۔ امن اور ہر قسم کے انقلابات کے لئے آپ ﷺ کے پاس خاص انتظام تھا عتاد کا معنی سامان' اسباب' انتظام اور تیار رہنا ہے ' ای کان بعد لکل امر مایناسبه۔ (اتحافات ص۳۶۳)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، بفتح اوله و هو العدة والتاهب مما یصلح لکل ما یقع و الاظهر انه علیه السلام اعد لکل امر من الامور حکما من الاحکام ودلیلاً من

ادلة الاسلام او المعنی انه علیه الصلوٰة والسلام کان مستعد الجمیع العبادات من الجهاد وغیره (جمع ج۲ ص۱۷۸) اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ ما اعده الرجل من السلاح والدواب و آلة الحروب خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ جہاد ہو یا دیگر اُمورِ دینی ہر وقت اور ہر معاملہ کے مناسب حال پہلے سے تیار رہتے۔ اسلحہ' جانور اور دیگر ضروریاتِ جنگ تیار رکھتے ، صاحب لغات الحدیث (ج۳ ص۱۵) میں رقمطراز ہیں کہ ہر واقعہ کی تدبیر پیش از وقوع کر لیتے جو کمال دانشمندی اور انجام بینی کی دلیل ہے

حق کی ادائیگی اور وصول کا معمول :

کان لا یقصر عن الحق ' یعنی حق کے بیان' ادائیگی اور اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ای بیانه واستیفائه ۔(اتحافات ص۳۶۳) ولا یجاوزه یعنی حق اور شرعی حد سے تجاوز نہ فرماتے تھے ولا یتجاوزه فلا یاخذ اکثر منه (مواہب ص۲۲۵) ہر معاملہ میں افراط اور تفریط سے گریز فرماتے تھے۔ فیصلوں میں انصاف اور حق کی پاسداری آپ ﷺ کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کے خواص' بہترین جماعت تھے :

الذین یلونه من الناس خیارهم ' جو لوگ آپ ﷺ کے قریب تھے، وہ لوگوں میں بہترین تھے۔ اقوال' افعال' تقویٰ' دیانت اور معاملات کی صفائی' عزت و جاہت اور مرتبہ و مقام میں گویا وہ لوگ عوام میں سے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے۔ اُمہات المومنین' بنات مطہرات' اہل بیت' خلفاءِ راشدین' عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہؓ ان کا مصداق ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ اکتساب علم و تحصیل فوائد میں بھی طلب صادق اور پھر افادہ علم میں بھی مخلص تھے۔ بوجہ خیار الناس ہونے کے لوگوں میں درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی موزون تھے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا' لیلینی منکم اولو الأحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" (مواہب ص۲۲۵) مگر یاد رہے کہ ان کی یہ بہتری' افضلیت اور مقام و مرتبہ بھی حضور اقدس ﷺ کی صحبت بابرکت کا ثمرہ تھا۔ آپ

ﷺ کی توجہات، عنایات اور آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں مسلسل حاضر رہنے کی وجہ سے وہ لوگوں میں بہترین افراد ہونے کا اعزاز پاتے تھے، جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، انسانیت کامل کی معراج کو پالیتا تھا۔

اخذِ مسائل :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، فینبغی للعالم فی درسه ان یجعل الذین یقربون منه خیار طلبته لانهم هم الذین یوثق بهم علماً و فهما (مواہب ص۳۴۵) (تو استاذ اور مدرس کو چاہئے کہ اپنے قریب ان طلبہ کو بٹھلائے جو علم و اکتساب و ذہانت میں لائق ترین ہوں کیونکہ یہ وہ اشخاص ہیں جن کے علم و فہم پر اعتماد کیا جاسکتا ہے)

بارگاہِ نبوت میں فضل و تقدم جنہیں حاصل تھا :

افضلهم عنده ... یعنی بارگاہ نبوت میں فضل و تقدم اور زیادہ قبولیت و افضلیت انہیں حاصل ہوتی، جو عامۃ المسلمین کے دین و دنیا کی خیرخواہی میں لگے رہتے تھے اور یہی ان کا مشن ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''الدین النصیحة'' (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳، مواہب ص۳۴۵) یعنی دین تو خیرخواہی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ خیر الناس من ینفع الناس بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو۔

بارگاہِ نبوت کے معظم ترین لوگ :

واعظمهم عنده ۔ مواساة رمی یرمی و سبا سے ہے بمعنی مدد کرنا، تسلی دینا ہمدردی کرنا تاج بیہقی میں ہے، المواساة یعنی کسے را در چیز ہم چو خویش داشتن' (یعنی کسی کو کسی چیز میں خود اپنے جیسا جاننا) موازرة : وزر یزر وزرا' سے ہے بمعنی ہاتھ بٹانا' تقویت دینا اور اعانت کرنا تاج بیہقی میں ہے، موازرة بمعنی مددگاری کرون ۔ یعنی حضور اقدس ﷺ ان لوگوں کی بڑی قدر، احترام اور تعظیم فرماتے تھے، جو اپنے فقر و احتیاج کے باوصف دیگر محتاجین و مستحقین کی مدد کو ترجیح دیتے تھے، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: ۹) (اور خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت

حاجت ہو) اور اپنے بھائیوں کے ساتھ مہمات امور میں، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرتے تھے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدۃ:۲) (نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو) اور حدیث میں ہے فالله فی عون العبد مادام العبد فی عون أخیه المسلم (مسلم) (اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جتنے تک بندہ کسی مسلمان کی مدد کرنے میں لگا رہتا ہے) ایک دوسری حدیث میں ہے، ومن كان فی حاجة اخیه كان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات یوم القیامة ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۲) (جو کوئی مسلمان بھائی کی خدمت میں معروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور حاجات پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی پریشانی کو دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانیاں دور فرماوے گا) یہ وہ لوگ تھے، جو خدمت اور غمگساریٔ خلق میں حصہ لیتے تھے تو آپ ﷺ کی نظروں میں بزرگ ترین ہونے کا مقام پاتے تھے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں وہی شخص مکرم، محترم اور بزرگ تر ہے، جس کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کے جذبات ہوں، جو غمگین لوگوں کے کام آئے دکھیاروں کی دوا ہو، صاحبانِ حوائج کی حاجت براری کرے، مصیبت زدوں کے بوجھ اٹھا کر ان کی مصیبتوں کو دور کرے اور ہر ایک انسان کو اس کی ضرورت کے وقت کام آئے۔

حضور اقدس ﷺ کی مجالس ذکر اللہ سے معمور ہوا کرتی تھی :

قال فسئلت عن مجلسه ..... حسین بن علیؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد سے آپ ﷺ کی مجلس سے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا، فقال ...... اٹھتے بیٹھتے اور مجالس کے آغاز و اختتام پر ذکر الٰہی ہوتا، جو کنایہ ہے ہمہ وقتی ذکر سے، جن مجالس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے روز ان پر حسرت و افسوس ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، ما من قوم یقومون من مجلس لایذکرون الله فیه الا قاموا عن مثل جیفة حمار و کان علیهم حسرة (رواہ احمد و ابوداؤد) نہیں اٹھی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں ذکر اللہ نہ کیا ہو، مگر اٹھے مردار گدھے کی طرح اور ان پر

حسرت وافسوس ہے۔حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں : "ما عمل العبد عملہ انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ" (رواہ مالک والترمذی وابن ماجۃ) یعنی بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذاب الٰہی سے سب سے زیادہ نجات کا باعث ہو بغیر ذکر اللہ کے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں، وھذہ الآیۃ اصل فی ذلک اعنی الذکر عند القعود و القیام اور یہ آیت اسی مسئلہ میں یعنی بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنے میں اساسی حکم رکھتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں و فیہ ندب الذکر عند القعود والقیام و ھو من اعظم العبادات لقولہ تعالی ولذکر اللہ اکبر الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم (مناوی ج۲ ص ۱۷۹) یعنی اس میں ثابت ہو رہا ہے کہ بیٹھے اور کھڑے ذکر الٰہی کرنا فضائل کی طرف سبقت کرنا ہے اور یہ بزرگ ترین عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ وہ لوگ (جو صاحبانِ عقل و فراست ہیں) کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کی مجالس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی ذکر اللہ پر ہوا کرتی تھی۔ ای ان الذکر ھو مبدا جلوسہ و منتھاہ۔(اتحافات ص۳۶۵)

آدابِ مجلس :

و اذا انتھی .... مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، یعنی حضور اقدس ﷺ کو بالانشینی پسند نہ تھی۔ و یامر بذالک اور اسی طرح بے تکلف مجلس میں بیٹھنے کا اپنے صحابہؓ کو بھی ارشاد فرماتے، یہ آپ ﷺ کی اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ کمال درجے کی تواضع کا مظاہرہ تھا اور ان کو تعلیم و تربیت اور اخلاق حسنہ کی ترغیب دینا تھا اور قولاً و عملاً ادھر توجہ دلانا مقصود تھی کہ مجالس میں اُٹھتے بیٹھتے رکھے نہ رہیے جائیں، کندھوں پر چھلانگیں نہ لگائی جائیں اور ہوسِ بالانشینی میں ایذاءِ مسلم سے بچا جائے۔ سٹیج پر پہنچنا اور بالانشینی کی حرص اور شوق تکبر و نخوت کی علامت ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، وھذا خلق لا یطیقہ الا نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص۳۶۵) (اور یہ ایسی بہترین

عادت و خصلت ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسے بھی بجالانے کی قدرت و طاقت نہیں ہو سکتی)

تمام حاضرین مجلس حصہ وافر پاتے تھے :

یعطی کل جلسائہ .. یعنی آپ ﷺ علوم و معارف، ہدایات اور کھانے پینے کی اشیاء، تحائف اور ہدایا میں سب کو برابر کا حصہ عنایت فرماتے تھے۔ روحانی و مادی فیوض و برکات سے سب برابر مالا مال اور سیراب ہوتے تھے۔ کوئی بھی حاضر مجلس آپ ﷺ کی توجہ و عنایات سے نامراد نہ لوٹتا بلکہ سیر ہو کر بامراد اٹھتا۔

حاضرینِ مجلس کا تأثر :

لا یحسب جلیسہ..... آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب و عزیز ہے۔ آپ ﷺ امت پر شفیق اور مومنوں پر رؤف و رحیم تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والے ہر ایک کو یہ ظن ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے نزدیک دوسروں سے زیادہ میں ہی عزیز ہوں۔ سب خدام اور رفقاء کار اپنے آپ کو آپ ﷺ کے معزز و مقرب ترین ساتھی سمجھتے تھے۔ دفعاً لتحاسد و رفعاً للتباغض والتقاطع المنھی عنہ۔(مناوی ج۲ ص ۱۸۰) ((حضور ﷺ کا یہ حسین برتاؤ) ان کے آپس میں بغض و حسد اور بائیکاٹ کے دفع کرنے کے لئے تھا)

طویل کلام اور طولِ نشست پر ناگواری ظاہر نہ فرماتے :

من جالسہ ..... یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے حاضرین مجلس، ملاقاتیوں اور زائرین و حاجتمندوں کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ صابرہ ای غالبہ فی الصبر علی المجالس والمکالمۃ ولا یبادر بالقیام عنہ و لا یقطع کلامہ و لا یظھر الملال والسآمۃ بل یستمر معہ (مناوی ج۲ ص ۱۸۰) یعنی اپنے ملاقاتی کی بات غور سے سنتے جب تک وہ بیٹھے رہتے یا بات کرتے، آپ ﷺ متوجہ رہتے۔ اس کے قطع کلام یا مجلس کے برخاست کرنے میں پہل نہ فرماتے، نہ چہرے پر پریشانی اور ناگواری کے اثرات ظاہر

ہوتے ، جو آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق' کمال تواضع اور عبدیت وانکساری کی اعلیٰ مثال ہے۔

سائلین کے ضروریات کی تکمیل فرماتے :

و من ساله حاجة .. سائلین کی ضرورت پوری فرماتے اور اگر کسی وقت سائلین کی مطلوبہ ضرورت کی تکمیل کے وسائل نہ ہوتے تو بہت ہی نرمی' محبت' شفقت اور معقول عذر سے ان کی تسلی اور تشفی فرماتے ۔ وهذه من كمال سخاته و مروته و حيائه ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور یہی باتیں حضور ﷺ کی سخاوت مروت اور باحیا ہونے میں باکمال ہونے کی دلیل ہے)

وسعتِ اخلاق وسخاوت :

قد وسع الناس ... یعنی آپ ﷺ کی خندہ روئی' سخاوت' اور کریمانہ اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا ۔ آپ ﷺ کشادہ رو' خندہ جبین اور حد درجہ خوش اخلاق تھے ، جو بھی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ۔ وہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کا گرویدہ ہو جاتا تھا ۔ قد وسع الناس اى اجمعين حتى المنافقين لكونه رحمة للعالمين" (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (حضور ﷺ کی یہ وسعت اخلاق و سخاوت سب لوگوں کے لئے حتیٰ کہ منافقین کے لئے بھی تھی کیونکہ آپ ﷺ کی ذات تو رحمۃ للعالمین ہی ہے) بسطه اى جوده و كرمه و انبساطه و خلقه اى و حسن خلقه فالمراد امداداته الظاهرة و الباطنة (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (یعنی بسط سے مراد آپ ﷺ کا جود و کرم اور حسنِ اخلاق ہیں تو گویا مراد امداد ظاہری اور باطنی ہے)

اُمت پر رحمت وشفقت کی انتہاء :

فصار لهم ابا ۔ آپ ﷺ تمام مخلوق کے لئے شفقت' محبت' ہمدردی' غمخواری میں گویا باپ کی طرح تھے ، جس طرح والد شفقت' محبت' مودت' اصلاح' خبر گیری' حاجت برآری' حل مشکلات میں اپنی اولاد کا سہارا ہوتا ہے ۔ آپ ﷺ بھی مخلوق خدا کا

گویا ایک شفیق والد کی طرح عظیم سہارا تھے ، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر و اعظم من اب اذ غاية الاب ان يسعى فى صلاح الظاهر وهو يسعى فى صلاح الظاهر و الباطن ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (کیونکہ والد تو اپنی اولاد کی ظاہری طور پر اصلاح کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور آپ ﷺ تو امت کے ظاہری اور باطنی اصلاحات میں ہر تن مصروف رہتے تھے) اور قرآن مجید میں تصریح ہے ۔ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۔ (الاحزاب: ۶)

اس کا ایک معنیٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مؤمنین پر ان کی جانوں سے زیادہ ان پر رأفت و رحمت اور لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں ۔ آپ ﷺ کا اپنی اُمت پر شفقت و رأفت کا کیا عالم تھا ۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ومن ثم اشفق على ذوى الكبائر من امته و امرهم بالستر و فى برجل بعد تحريم الخمر و هو سكران و تكرر ذلك فلعنوه فقال لاتلعنوه فانه يحب الله و رسوله (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (اور اس لئے تو آپ ﷺ اپنی امت کے کبیرہ گناہ کے مرتکبین پر خوف کیا کرتے اور ان پر پردہ پوشی دینے کا حکم فرمایا ۔ اور حضور ﷺ کے پاس شراب کی حرمت کے بعد ایک شخص نشہ کی حالت میں لایا گیا اور وہ بار بار یہ فعل کرتا تھا ۔ تو صحابیؓ نے اس پر جب لعن و تشنیع کرنا شروع کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو ۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں)

آپ ﷺ کی مجالس کا ایک منظر :

و مجلسه . . یعنی آپ ﷺ کی مجالس میں علوم و معارف کا افادہ و استفادہ ہوتا تھا ۔ حیا و شرم کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی ۔ خواہشات کی پامالی آپ ﷺ کی صحبتوں کا ثمر اور نتیجہ صبر تھا ۔ مجالس امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام و ہدایات اور تعلیمات دی جاتی تھیں' انہیں محفوظ کر کے بے کم و کاست دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام ہوتا تھا ، جو اسرار ہوتے ، وہ سینوں کے دفینے بن جاتے ۔ یہ چاروں باتیں یعنی علم' حیا' صبر اور امانت آپ ﷺ کی مبارک مجالس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں ۔ مجالس میں ادب و احترام' انکسار و تواضع کا یہ عالم ہوتا کہ کسی کو آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور نہ کسی قسم کے شور و شغب کو روا رکھتی ،

بلکہ حکم خداوندی " لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی " (کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز پر بلند نہ کریں) پر ہمہ تن عمل پیرا رہے ۔ صاحب اتحافات فرماتے ہیں ان مجلسہ کان کلہ صلحاً و علماً و صبراً و ادباً و امانۃ و عدم رفع للاصوات و صفاء و سرور " (اتحافات ص ۳۶۵) (کہ آپ ﷺ کی مجلس و محفل سب اصلاحی، علمی، صبر، ادب و امانت پر مشتمل اور اخلاص و خوشی کے ساتھ جس میں کسی قسم کا شور و شغب نہ ہوتا تھا)

مجالس کی پاکیزگی :

ولا تؤبن ۔ مجالس کی پاکیزگی کا یہ عالم تھا کہ اس میں کسی کی عزت و ناموس پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا ۔ من الابن وھی العقد فی القصبات (مناوی ج ۲ ص ۱۸۱) (ابن کا معنی بانسوں میں گرہیں ہوتا) وھو العیب او التھمۃ ای لاتقذف ولاتعاب کذا فی الفائق ای لاتعرف ولا تذکر بقبیح (جمع ج ۲ ص ۱۸۱) (ملا علی قاریؒ لا تؤبن کا معنی عیب اور تہمت سے کرتے ہیں تو لا تؤبن کا معنی تہمت اور عیب نہیں لگایا جاتا تھا ۔ اسی طرح فائق میں ہے یعنی نہ کسی کی غلطی کو شہرت دی جاتی اور نہ کسی کا تذکرہ برائی کے ساتھ کیا جاتا تھا)

ولا تثنی ۔۔۔ اور نہ مجالس میں لوگوں کے عیوب و زلات کو اچھالا جاتا تھا بلکہ آپ ﷺ کی مجالس ہفوات و لغویات سے پاک ہوتی تھیں ۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں ای لا تشاع و لاتذاع فلتاتہ ای زلاتہ وھفواتہ واحدہ فلتۃ وھو الھفوۃ ۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۲)

صفات صحابہ کرامؓ :

متعادلین ۔۔ یعنی سب صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے ۔ کبر و غرور سے نفرت تھی ۔ ای متساوین لایتکبر بعضھم علی بعض بالحسب والنسب بل کانوا کما قال یتفاضلون بالتقوی (جمع ج ۲ ص ۱۸۲)

یعنی آپ کی مجالس میں بعض کو بعض پر تقوی کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی اور یہ آپ ﷺ ہی کی تربیت و صحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرامؓ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر رحم کھاتے، حاجتمندوں کو ترجیح دیتے اور مسافروں کا اکرام و احترام اور ان کی حفاظت فرماتے

وھذا الحدیث من الجوامع الدالۃ علی کمال اوصافہ صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص ۳۶۵) (اور یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضور ﷺ کے اوصاف کاملہ پر دلالت کرتی ہے)

(۳۲۳/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عبداللہ بن بزیع نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید نے قتادہؒ کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اس کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں ۔

راوی حدیث (۲۰۳) محمد بن عبداللہ بن بزیعؒ کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں ۔

الکُراع کا لغوی معنٰی :

الکراع بکری یا گائے کے پائے کو کہتے ہیں ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں ۔ اس کی جمع اکرع اور اکارع آتی ہے ۔ ملا علی قاریؒ نے بھی کراع کے یہی معنی نقل کیے ہیں وھو مادون الرکبۃ من الساق و مادون الکعب من الدواب ۔ (جمع ج ۲ ص ۱۸۳)

تحفہ و دعوت کی قبولیت سنت ہے :

بکری کے پائے کے ذکر سے مراد تحفہ اور ہدیہ کی کمی اس کا تھوڑا اور ادنیٰ ہونا ہے ۔

یعنی تحفہ کم سے کم ہو اور تھوڑے سے تھوڑا ہو، قبول کرلوں گا کہ تحفہ قبول کرنے میں حظِ نفس نہیں ہوتا، بلکہ بھیجنے والے کی دلجوئی مقصود ہوتی ہے۔ اسی طرح دعوت پر بلاوے کی منظوری میں بھی مقصود کھانا نہیں، بلکہ داعی کی تسکینِ خاطر ہے، جو آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور کمالِ تواضع کی روشن دلیل ہے۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں، وفیہ ندب قبول الهدية و اجابة الدعوة و لولشئي قليل و كمال تواضعه و حسن خلقه و جلبه للقلوب۔ (مناوی ج۲ص۱۸۳) یعنی اگرچہ تھوڑی سی چیز کا تحفہ کیوں نہ ہو یا تھوڑی شئی پر دعوت کیوں نہ دی گئی ہو اسے قبول کرنا اور دعوت پر جانا اس حدیث کی رو سے مندوب ہے اور اسی حدیث سے آپ ﷺ کا کمالِ تواضع حسنِ اخلاق اور دلوں کو موہ لینا ثابت ہے۔

(۳۲۴/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَآءَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھٹیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پاپیادہ تشریف لائے۔

حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی پیدل چل کر عیادت فرماتے:

قال جاء نی ...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے پاس (عیادت کے لئے) تشریف لاتے' تو خچر یا ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ البرذون الفرس العجمی۔ (اتحافات ص۳۶۲) و فی المغرب هو التركي من الخيل و لعله اراد مايتناول البرذونة تغليباً۔ (مواہب ص۲۲۸) (برذون کا معنی کسی نزدیک عجمی گھوڑے کے ہیں اور کوئی اس کا معنی ترکی گھوڑے سے کرتے ہیں نیز برذون اگرچہ مذکر ذکر کیا گیا لیکن

تغلیباً برذونہ (گھوڑی مادہ) کو بھی شامل ہے) یعنی نہ تو آپ ﷺ کے پاس گھٹیا سواری تھی نہ بڑھیا' بلکہ پاپیادہ تھے۔ علامہ انبجوریؒ فرماتے ہیں ' فكان صلى الله عليه وسلم لتواضعه يزور على اصحابه ماشيا۔ (مواہب ص۲۲۸)

یعنی حضورِ اقدس ﷺ اپنے صحابہؓ کے ہاں اکثر اوقات میں تواضعاً پیادہ تشریف لے جایا کرتے۔ بخاری شریف میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوا تو حضورِ اقدس ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں پیادہ پا میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ حضور ﷺ نے وضو بنایا، پھر اس وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، آرام ہو گیا۔

حضرت جابرؓ سے ایک دوسری روایت میں بھی آپ ﷺ کی شفقت' فروتنی' انکساری اور تواضع کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ" ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نہ تو کسی عمدہ گھوڑے پر سوار تھے اور نہ کسی خچر پر' آپ ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو اپنے پیچھے کسی غلام کو بٹھا لیتے اور کبھی کسی عام آدمی کو' کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ خود درمیان میں ہو جاتے اور ایک عام آدمی کو پیچھے بٹھا لیتے اور ایک آدمی کو آگے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو بنی عبدالمطلب کے بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے ایک بچے کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو پیچھے بٹھایا۔

حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہوئے شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں و هذا الحديث يفيد أن رسول الله صلى الله عليه و سلم يزور اصحابه و يعودهم ماشيا لما في ذلك من كثرة الثواب و عظيم التواضع (اتحافات ص۳۶۲) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کی زیارت و ملاقات اور بیمار پرسی پیدل چل کر فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ بہت ثواب و درجات کا حصول بھی ہے)

(۳۲۵/۱۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ يُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِيْ فِيْ حَجْرِهٖ وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِيْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم نے خبر دی۔ انہیں یہ روایت یحییٰ بن ابی الہیثم عطار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام "یوسف" تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا تھا اور میرے سر پر دست شفقت پھیرا تھا۔

راویان حدیث (۲۰۴) یحییٰ بن ابی الہیثم " اور (۲۰۵) یوسف بن عبداللہ بن سلام " کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچوں سے محبت اور شفقت :

سمانی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوسف واقعدنی فی حجرہ ۔ الخ'

الحجر ! الثوب و هو طرفه المقدم منه لان الصغیر یوضع فیه عادة و یطلق علی المنع من التصرف و علی الانثی من الخیل و حجر ثمود و حجر اسماعیل و غیر ذلک مما فی قول بعضهم

رکبت حجرا وطفت البیت خلف الحجر
و حزت حجرا عظیما ما دخلت الحجر
للّٰه حجر منعنی من دخول الحجر
ما قلت حجرا و لو اعطیت ملٔ الحجر

(مواہب ص ۲۲۸)

(حضور ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھلایا۔ لفظ حجر (حا، پر تینوں حرکات کے ساتھ مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد کپڑے (قمیص وغیرہ) کا سامنے کا حصہ اور کنارہ (یعنی دامن، گود) اس لئے کہ چھوٹے لڑکے کو عادتاً اس میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کا اطلاق ممانعت، گھوڑی، حجر ثمود، حجر اسماعیل علیہ السلام وغیرہ پر (یعنی عقل، پتھر، حرام، آنکھ کا خانہ) ہوتا ہے جیسے بعض شعراء کے اس

قول میں کہ میں نے گھوڑی پر سوار ہو کر حجر اسود کے پیچھے بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور میں نے ایک عظیم الشان پتھر (حجر اسود) کو پناہ کے لئے مخصوص کیا۔ میں کسی معمولی پناہ گاہ میں داخل نہیں ہوا قسم بخدا یہ ایسا متبرک عالی شان پتھر ہے کہ اس نے مجھے حجر ثمود وغیرہ کے داخل ہونے سے روک دیا میں نے کبھی کوئی ممنوع (حرام) کام کا حکم نہیں کیا اگر چہ اس کے لئے مجھے بھری دامن (سونا چاندی) کی پیش کش بھی ہوئی ہو)

هو بالكسر ما بین یدیک من ثوبک و بالفتح فرج الرجل والمرأة (مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) جس طرح یوسف بن عبداللہ بن سلام نے آپ ﷺ کی شفقت، محبت اور پیار کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ پیار اور محبت فرماتے تھے۔ علامہ یوسف النبھانیؒ فرماتے ہیں" جب کہیں راستے میں بچے ملتے، تو ان کو سلام کرتے، خندہ پیشانی کے ساتھ ان کے ساتھ گفتگو فرماتے، جب باہر سفر سے تشریف لاتے، تو سب سے پہلے گھر کے بچوں سے ملتے، بچوں اور گھر والوں سے حد سے زیادہ شفقت و محبت فرماتے، جب کوئی شخص کسی بچہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں لاتا تو آپ ﷺ کوئی کھانے کی چیز اپنے دہن مبارک میں چبا کر اس بچے کے منہ میں ڈال دیتے۔ اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کرتے۔ انصار کے گھروں میں تشریف لے جاتے تو ان کو سلام کرتے اور پیار سے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ (وسائل الوصول)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض واستنکاف نہ فرماتے تھے اور یہ بھی کہ بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا، ان سے نام تجویز فرمانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل) وفیه انه یسن لمن یقتدی به ویتبرک به تسمیة اولاد اصحابه وتحسین اسماءهم و ان اسماء الانبیاء من اسماءهم الحسنة و وضعه فی الحجر (مناوی ج ۲ ص ۱۸۴) (علامہ مناویؒ لکھتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی تابعداری کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اپنے احباب و متعلقین کی اولاد کے لئے اچھے نام تجویز فرمائے خصوصاً انبیاء کرام

علیہم السلام کے مبارک اسماء وغیرہ سے انتخاب فرمائے۔ نیز چھوٹے بچوں کو گود میں لینے کے عمل کی سنیت بھی معلوم ہو رہی ہے)

مسح علی رأسی ! زاد الطبرانی و دعا لی بالبرکۃ و فی فعلہ لھذین من کمال رحمتہ و محاسن اخلاقہ وتواضعہ مالا یخفی۔ (مناوی ج۲ ص۱۸۲)

(اور آپ ﷺ نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ طبرانیؒ نے یہ زیادتی نقل فرمائی کہ میرے لئے برکت کی دعا بھی فرمائی اور حضور ﷺ کے ان دو افعال کے عمل سے آپ ﷺ کی تواضع حسنِ خلق اور کمال شفقت پوری طرح واضح ہو رہی ہے)

(۳۳۶/۱۱) حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا أَبُوْدَاوٗدَ أَنْبَأَنَا الرَّبِيْعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَ قَطِيْفَةٍ كُنَّا نَرٰى ثَمَنَهَا أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيْهَا وَلَا رِيَاءَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوداؤد (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کو ربیع بن صبیح نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاوہ پر حج کیا، جس پر کپڑا تھا، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرمائیو۔

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے تشریح اسی باب کی حدیث نمبر ۵ میں گذر چکی

(۳۳۷/۱۲) حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ وَ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ لَهٗ ثَرِيْدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَأْخُذُ الدُّبَّاءَ وَ كَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ أَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يُصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ إِلَّا صُنِعَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احول کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں ثرید تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کو کدو چونکہ مرغوب تھا، اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پرسے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں مجھے کدو ڈلوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔

یہ حدیث اس سے قبل باب ماجاء فی ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گذر چکی ہے۔ یہاں بقول علامہ بیجوریؒ کہ " لدلالتہ علی تواضعہ" (مواہب ص ۱۳۹) (آپ ﷺ کے تواضع پر دال ہونے کے پیش نظر اسے دوبارہ نقل کر دیا گیا ہے۔ وہاں بجائے ثرید کے شوربے روٹی کا ذکر تھا۔ یہاں ثرید کی تصریح ہے۔ ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربا روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجازاً کہہ دیا ہو یا اس حدیث میں شوربا روٹی اجزاء کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ثرید بھی شوربا روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۳۳۸/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَمْرَةَ قَالَتْ قِيْلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَ يَحْلُبُ شَاتَهٗ وَ يَخْدُمُ نَفْسَهٗ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمٰعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم اسے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عمرۃؒ سے نقل کی۔ عمرۃؒ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

راوی حدیث (۶۰۶) عمرۃؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفلی ' اس کا مصدر فلیاً اور تفلیۃ آتا ہے جب یہ الامر کے ساتھ آئے تو کسی معاملہ کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا مراد ہوتا ہے جب السیف کے ساتھ آئے تو تلوار کے ساتھ مارنا مراد ہوتا ہے، جب عقل کے ساتھ آئے تو آزمائش کرنا مراد ہوتا ہے اور جب رأس یا ثوب کے ساتھ آئے تو سر یا کپڑے سے جوئیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا مراد ہوتا ہے اور یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ فلی رأسہ بحثہ عن القمل کفلاہ ای یفتش (مجمع ج ۲ ص ۱۸۵) یحلب ' حلب یا حلاب سے ہے بمعنی دودھ دوہنے کے۔

سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم :

کان بشرا من البشر ..... یعنی آپ ﷺ بھی بشری تقاضے لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے تو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ گھر کا کام کاج کرنا، گھر میں خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گذارنا' اپنے کام خود انجام دینا' معمولی اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا، آپ ﷺ کا بھی معمول تھا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے للتواضع و ترک الترفع لکنہ مشرف بالوحی والنبوۃ و مکرم بالمعجزات والرسالۃ (مناوی ج ۲ ص ۱۸۵) (آپ ﷺ کا مذکورہ امور کو سر انجام دینا تو صرف تواضع اور ترک تکبر کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ کی ذات اقدس تو وحی خداوندی، نبوت، رسالت اور معجزات

سے مشرف و معزز بنائی گئی تھی جیسے کہ آیت انما بشر مثلکم یوحیٰ الیّ . الآیہ میں یہی اشارہ مقصود ہے (کہ میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی گئی ہے) کما فی قولہ تعالیٰ انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ الایۃ۔

کمالِ عزت و تکریم :

یفلی ثوبہ ..... حاشیہ شمائل میں ہے۔ لم یقع علیہ ذباب قط و لم یکن القمل یوذیہ تعظیماً و تکریماً لجاعہ' یعنی آنحضرت ﷺ کے وجود اطہر پر مکھی ہرگز نہیں بیٹھتی تھی اور نہ ہی جوں آپ ﷺ کے وجود اطہر میں ایذاء پہنچانے کے لئے پیدا ہوتی۔ یہ آپ ﷺ کی کمال عزت و تکریم ہے۔

علماء کی تحقیق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

اور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے۔ وہاں میل کچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا پسینہ سراسر گلاب تھا، جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرق گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے۔ اس لئے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا بھی دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔ (خصائل)

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات کے بیان میں

لفظِ خُلُق کی تشریح :

خُلُق' عادت طبیعت اور خصلت کو کہتے ہیں ۔اس کی جمع اخلاق ہے۔ وہ قوت جس سے بن سوچے اور بغیر فکر کے افعال بہ سہولت صادر ہوں ۔ الخلق بضم الخاء واللام هو الطبع والسجية وهو من الأوصاف الباطنية قال الامام الغزالی ، الخلق ، هيئة للنفس تصدر عنها الافعال بسهولة فان كانت الهيئة جميلة 'سميت خلقا حسنا ' والاسميت خلقا سيئا ۔(اتحافات ص۳۶۹) (الخلق (خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ) اوصاف باطنیہ میں سے ایک وصف ہے اور بمعنی طبیعت اور خصلت کے ہے امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ خلق نفس کی ایک کیفیت اور حالت جس سے افعال کا صدور سہولت اور آسانی سے ہو اگر (افعال) کیفیت جمیلہ سے موصوف ہوں تو انہیں اخلاق حسنہ کا نام دیا جاتا ہے ورنہ پھر اخلاق سیئہ کہلاتے ہیں) وعن العسقلانی حسن الخلق تحصيل الفضائل وترك الرذائل (جمع ج۲ص۱۸۶)(امام عسقلانی ؒ سے منقول ہے کہ حسن خلق یہ کہ اخلاق رذیلہ کو چھوڑ کر فضائل (بلند مرتبہ اخلاق) اختیار کر لینا)

حُسنِ اخلاق :

حضور اقدس ﷺ کے اخلاق بے مثال ہیں اور پورے عالم کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں ۔ آپ ﷺ کے اخلاق جمیلہ اور عادات شریفہ پوری دنیا میں ضرب المثل ہیں ۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کے بلندیٔ اخلاق کی گواہی دی ہے۔ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۴)(اور بے شک آپ بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہیں) حضرت عائشہؓ

فرماتی ہیں ما كان احد احسن خلقا من رسول الله صلى الله علیه وسلم مادعاه احد من اصحابه ولا من اهل بيته الا قال لبيك (مناوی ج۲ص۱۸۵)(نبی کریمؐ سے زیادہ حسین اور اچھے اخلاق والا کوئی بھی نہیں تھا چنانچہ صحابہؓ یا اہل بیت (گھرانے کے افراد) میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو اگر کبھی بلایا تو آپ ﷺ اس پر لبیک کہہ کر حاضر ہوئے) آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے ۔علامہ الیجوریؒ فرماتے ہیں' وعرفوا حسن الخلق بانه مخالطة الناس بالجميل والبشر واللطافة وتحمل الاذى والاشفاق عليهم والحلم والصبر وترك الترفع والاستطالة عليهم وتجنب الغلظة والغضب والمواخذة (مواہب ص۲۵۲) یعنی اختلاط باہمی کے دلکشا مظاہر و آداب کے ہمرکاب خندہ پیشانی اور بے پایاں لطف و مہربانی کے جلو میں دوسروں کی تکالیف برداشت کرنے' نیز ان کے مصائب کی گرہ کشائی بردباری صبر و تحمل' پے در پے برتری کی نمو کا ترک، مروت و احسان کے مواقع پر درشتی اور سختی کی روش سے پہلو تہی' بدلہ لینے کا محاسبہ اور غصے سے اجتناب آپ ﷺ کے کردار اور اخلاق حسنہ کے ممتاز اور نمایاں جواہر ہیں ۔شمائل سارے آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ ہیں ۔سیرت آپ کے اخلاق حسنہ ہیں ۔

باب ھذا میں مصنفؒ بطور نمونہ کے پندرہ حدیثیں نقل کر کے محمدی اخلاق کی ایک جھلک دکھا رہے ہیں ۔وهذه الترجمة لبعض اخلاق النبي وبعض سجاياه' لا لجميعها بدليل أن التواضع مثلاً من اخلاق النبي صلى الله عليه وسلم' ومع ذلك فقد ذكر قبل (اتحافات ص۳۶۹) (جیسا کہ صاحب اتحافات بھی یہی کچھ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان تو نبی علیہ السلام کے سب اخلاق کے تذکرے کے لئے نہیں بلکہ اس میں حضور ﷺ کے بعض اخلاق اور خصائل کا ذکر ہے مثلاً تواضع بھی آپ ﷺ کے اخلاق ہی کا جز ہے حالانکہ اس کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے)

(۳۲۹/ا) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یَزِیْدَ الْمُقْرِیُٔ

کے لئے آنا چاہئے' خواہ وہ دنیوی اُمور کا ہوتا یا اخروی اُمور کا' حتیٰ کہ کھانے پینے کا تو آپ ﷺ ان کو اپنے نیک اور مبارک مشوروں سے سرفراز فرماتے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں، اگر ہم اپنی مجالس میں دنیا کی زندگی' اس کے لوازمات' بے ثباتی اور اسی کی تنگی وخوشحالی کا تذکرہ کرتے' تو آپ ﷺ بھی اسی موضوع میں شریک ہو کر اپنے گرانقدر آراء اور مشوروں سے نوازتے اور جب آخرت' دوام حیات' وہاں کے انعامات اور سزاؤں کا ذکر کرتے تو اس موضوع میں بھی شریک گفتگو ہو جاتے اور اگر مجلس میں خورد ونوش کی اشیاء کا ذکر ہوتا تو اسی گفتگو میں بھی شریک ہو کر متعلقہ موضوع سے متعلق رہنمائی اور ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

آخری جملہ کا مفہوم :

فکل هذا احدثکم .. شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس اخیر جملہ کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہی ہے' جو لکھا گیا ہے، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک شروح حدیث میں (حضور اقدس ﷺ کے کیا حالات سناؤں) کے ساتھ مرتبط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہر نوع کے حالات سنا سکتا ہوں۔ اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سناؤں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتب وحی بھی اور حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں دین اور دنیا کھانا پینا' غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے۔ اس لئے کیا سناؤں اور کونسا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر ساں لطیف ولذیذ۔

شیخ عبدالرؤفؒ اخیر جملہ **فکل احدثکم** کے متعلق تشریحاً لکھتے ہیں۔ **لتفقهوا فی الدین فترقوا الی درجات المقربین فاعاده لیؤکد به الحدیث و یظهر اهتمامه به و فیه جواز تحدیث الکبیر مع صحبه فی المباحات و بیان جواز امثال ذلک واجب علی المصطفی فلیس ذکر الدنیا والطعام فی هذا المقام خالیا عن فائدة علمیة و ادبیة ۔**

(مناوی ج۲ص۱۸۸) (یعنی یہ سب کچھ آپ ﷺ کے حالات اس لئے بیان کر رہا ہوں تا کہ تم لوگ دین کی تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں تو پھر تم بھی مقربین بارگاہ الٰہی کے بلند مراتب ودرجات کو پہنچ جاؤ گے۔ حضرت زیدؓ نے سابقہ جملہ کو حدیث کی تاکید اور اس

کے اہتمام کے اظہار کے لئے ہی دہرایا۔ نیز حدیث سے بزرگ ترین شخصیت کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ مباح امور میں گفتگو کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور ان جیسے امور کے جواز کا بیان آپ ﷺ کے لئے ایک حد تک ضروری بھی تھا تو گویا اس مقام میں دنیا اور کھانے پینے کے تذکرے علمی اور ادبی فوائد سے ہرگز خالی نہیں)

(۳۳۰/۲) **حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِيْ زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِيْثِهٖ عَلٰى أَشَرِّ الْقَوْمِ يَتَأَلَّفُهُمْ بِذٰلِكَ فَكَانَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِيْثِهٖ عَلَيَّ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنِّيْ خَيْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا خَيْرٌ أَوْ أَبُوْبَكْرٍ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا خَيْرٌ أَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا خَيْرٌ أَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِيْ فَلَوَدِدْتُ أَنِّيْ لَمْ أَكُنْ سَأَلْتُهٗ.**

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن موسیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زیاد بن ابی زیاد سے اور انہوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انہوں نے اسے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیف قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے۔ چنانچہ خود میری طرف بھی حضور اکرمؐ کی توجہات اور کلام کا رُخ بہت زیادہ رہتا تھا۔ حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے کہ حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت فرمایا کہ حضور ﷺ! میں افضل ہوں یا ابوبکرؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمرؓ، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ، پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ۔ جب میں نے

حضور اکرم ﷺ سے تصریحاً پوچھا تو حضور ﷺ نے بلا رعایت صحیح صحیح فرما دیا اور مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہئے تھی۔

راویان حدیث (۶۱۰) زیاد بن ابی زیاد" (۶۱۱) محمد بن کعب القرظی" اور (۶۱۲) عمرو بن العاصؓ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

کریمانہ اخلاق کی انتہاء :

یقبل بوجهه ... حضور اقدس ﷺ بداخلاق درشت خو اور معاشرے کے بدترین افراد سے بھی حد درجہ خندہ پیشانی 'کشادہ روئی سے پیش آتے اور دوران گفتگو اپنا رُخ اُن کی طرف پھیر کر بھرپور توجہ سے گفتگو فرماتے اور رحمت و رأفت اور شفقت و محبت سے ان کے حال پر کرم فرماتے' توجہ فرماتے' محبت کرتے تاکہ ان کا دل نرم ہو اور حق قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ حضور اقدس ﷺ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تکبر' رعونت' استکبار اور بے اعتنائی روا نہیں رکھتے تھے، جب غیروں کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ علم تھا، یہ بردباری تھی اور اس قدر شفقت کریمانہ تھی، تو اپنوں کا تو کیا کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں، حتى ظننت انى خير القوم اى من كثرة التفاته۔ (جمع ج۲ ص۱۸۹) یعنی وہ سمجھنے لگے کہ میرا مقام و مرتبہ گویا اب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، سے بھی بڑھ گیا ہے۔

عمرو بن العاصؓ کے سوال کا حقیقت پرمبنی جواب :

اس لئے سوال کر ڈالے جب حضور اقدس ﷺ نے انہیں جواب میں اُن حضرات کی افضلیت کا بتا دیا اور یہ کہ یہ تینوں حضرات علی الترتیب مقام فضل و عظمت پر فائز تھے، جو خود سائل کو بھی معلوم تھے، جیسا کہ ان کے سوال سے مترشح ہوتا ہے اور جمہور صحابہؓ کو بھی معلوم تھے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو افضل سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت ابوبکر

صدیقؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمرؓ کو، ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں کچھ ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضور اکرمؐ کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد، انہوں نے فرمایا عمرؓ، اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں، جن سے حضور اکرمؐ کے زمانے ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے انہوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اوّل ان سے مقابلہ کیا، جو سب سے افضل شمار ہوتے تھے، پھر نمبر۲ پھر نمبر۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر۲ نمبر۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔ (خصائل)

عمرو بن العاص کی اپنے سوال پر ندامت :

فصدقنى ...... آپ ﷺ نے بلا رعایت اور میری مدارت کا لحاظ کئے بغیر صحیح جواب مرحمت فرمایا۔ اى اجابنى بالصدق من غير مراعاة و مداراة۔ (مواہب ص ۲۵۲) جو حقیقت تھی، وہ صحیح صحیح بیان فرما دی۔ بس پھر کیا تھا' خود حضرت عمرو بن العاصؓ نادم ہوئے۔ فلوددت انى لم يكن سئلته 'کاش میں نے آپ ﷺ سے یہ بات نہ پوچھی ہوتی۔ شمائل کے حاشیہ میں ہے۔ هذه الندامة من السوال استحياء من الخطاء الفاحش یعنی اظہار ندامت کا یہ کردار اس شرمندگی کی بناء پر ہوا کہ وہ یہ سوال کر کے صریح غلطی کے مرتکب ہوئے۔

علامہ حافظ زین العراقی نے حدیث مذکور کا خلاصہ نظم میں اسی طرح ذکر فرمایا :

يجالس الفقير و المسكينا　　　و يكرم الكرام اذ ياتونا
ليس مواجها بشئى يكرهه　　　جليسه بل بالرضاء يشافهه

(آپ ﷺ کی ہم نشینی (یجلسنا المنا) فقیروں، مسکینوں سے ہوا کرتی اور جب معزز لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے تو ان کی بھی عزت و تکریم فرماتے تھے آپ ﷺ کی ملاقات

کا انداز ایسا نہ ہوتا کہ اسے صاحبِ محفل ناپسند کرے بلکہ خوشی رضا آپ ﷺ کا اس سے ملنا جلنا ہوتا)

(۳۳۶/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْرًا قَطُّ وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبۃ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور اکرم ﷺ نے اُف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے میں یہ فرمایا کہ کیوں کیا اور اسی طرح نہ کبھی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتی کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

حضرتِ انسؓ خدمتِ نبوی میں :

قال خدمت رسول الله صلى الله ...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ کی خدمت کا شرف دس سال تک حاصل رہا۔ عشر سنین کی تصریح ہے۔

بعض روایات میں تسع سنین کی تصریح ہے تو یہ کسر کے حذف اور شمار پر محمول ہوگا، جن روایات میں کسر کا حذف ہے ۔ وہاں نو سال کی تصریح ہے اور جن میں کسر کو شمار کیا گیا ہے، وہاں دس سال کا ذکر آ گیا ہے ۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں ۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ کام کاج کے لئے کوئی لڑکا تلاش کر کے لاؤ ۔ یہ کام حضرت طلحہؓ کے حوالے کیا گیا ۔ جبکہ بعض دوسری روایات میں ہے کہ حضرت انسؓ کو خود اُن کی والدہ لے آئیں اور بارگاہِ نبوت میں پیش فرمایا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں روایات درست ہیں اور ان میں کوئی منافاۃ نہیں ہے ۔ کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ وہ لڑکا تلاش کر کے لائیں، وہ تلاش میں ہوں کہ اس دوران حضرت انسؓ کی والدہ خود انہیں لا کر حاضر خدمت ہوئی ہوں یا کسی سے سنا ہو کہ آپؐ کو خادم کی ضرورت ہے اور تلاش جاری ہے ۔ تب لائی ہوں کہ اس سے بڑھ کر موقع سعادت اور کیا ہو سکتا ہے ۔

ناگوار اُمور پر اُف تک نہ کہا :

فما قال لی اُف قط ۔ حضرت انسؓ بارگاہِ نبوت میں اپنی خدمت و صحبت کا دس سالہ مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ گھر کے خادم ہونے کے ناطے دانستہ یا نادانستہ مجھ سے فروگذاشتیں بھی ہوتی ہوں گی، کوتاہیاں تو لازمۂ بشریت ہیں، مگر آپ ﷺ کبھی ناراض نہ ہوئے اور کسی بھی ناگوار امر پر ہلکی سے ہلکی تنبیہ کرتے ہوئے اُف تک بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں چھوڑا ۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اتباعِ سنت کا کامل نمونہ :

اس موقع پر مجھے اپنے شیخ و مربی، اپنے استاذ امیر المومنین فی الحدیث محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہٗ بے اختیار یاد آنے لگے ۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے ۔ اتباعِ سنت میں کامل تھے ۔ مجھے دس سال کی خدمت، صحبت، قربت، سفر و حضر کی رفاقت کا موقع میسر آیا ۔ حضرتؒ کے ساتھ علمی و دینی کام کئے ۔ تدریسی

کام انتظامی اُمور حضرت کے شب و روز کے کاموں میں معاونت کے علاوہ سیاسی رفاقتیں بھی رہیں ۔ حضرت کے حینِ حیات اُن کے حکم بلکہ ان کی موجودگی میں جمعہ، عیدین، تبلیغی و اصلاحی اجتماعات اور حضرت ہی کی جانب سے بعض بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں تقریر و بیانات اور خطاب کے مواقع ملتے رہے، مگر قربان جاؤں حضرت شیخ کی ادا و انداز تربیت پر، اس طویل عرصۂ خدمت و رفاقت میں حضرتؒ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا، بلکہ تحریر و تقریر بیان و خطاب میں بھی نہ کبھی موضوع دیا، نہ عنوان، نہ مشورہ، نہ نقد و جرح، نہ اعتراض بلکہ ہر موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے اور یہ کیوں نہ ہوتا کہ آپ ﷺ سے محبت تھی ۔ سنت پر عمل ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی ۔

ابو نعیم کی روایت :

بہرحال یہاں تو اسی قدر نقل ہے ۔ وھذا الحدیث رواہ ابونعیم عن انس ایضاً بلفظ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر سنین فما سبنی قط و ما ضربنی ضربة ولا انتھرنی ولاعبس فی وجھی ولاامرنی بامر فتوانیت فیه فعاتبنی علیه فان عاتبنی احد قال دعوہ و لو قدر شئی کان ۔ (مواہب ص۲۵۲) (اور یہی حدیث ابو نعیم نے حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی دس سال تک خدمت کی نہ تو کبھی مجھے آپ ﷺ نے برا بھلا کہا اور نہ کبھی مجھے معمولی طور پر مارا اور نہ مجھے ڈانٹا اور نہ میرے سامنے کوئی تیوری چڑھائی اور نہ مجھے کسی کام میں سستی کرنے پر جھڑکا ۔ بلکہ اگر کوئی مجھے عتاب کرتا اور جھڑکتا تو فرماتے بھائی! اس کو جانے دو، کچھ نہ کہو جو مقدر تھا وہ ہو کر رہتا ہے)

رضا بالقضاء :

حضرت انسؓ ہوں یا آپ ﷺ کے دیگر خدام و محبین اور صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ کا ان کو اُف تک نہ کہنا یہ کمالِ اخلاص اور غایت تواضع کی بنا پر تھا ۔ خدام کے افعال، کوتاہیوں اور افراط و تفریط کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے، بلکہ سب کچھ من جانب اللہ تصور کرتے

تھے اور اسی پر راضی ہوتے تھے ۔ فکان یشھد أن الفعل من اللہ ولا فعل لانس فی الحقیقة فلا فاعل الا اللہ و الخلق الآن و سائط فالغضب علی المخلوق فی شئی فعله او ترکه ینافی کمال التوحید کما ھو مقرر فی علمه من وحدة الافعال ۔ (مواہب ص۲۵۲) (پس آپ ﷺ کی یہ شہادت ہوئی کہ یہ درا صل حضرت انسؓ کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ اللہ ہی کی ذات سب کچھ کرتی ہے تو درحقیقت ہر چیز کے فاعل (کرنے والے) اللہ ہی ہیں اور ساری مخلوق صرف وسائط اور ذرائع کے درجہ میں ہے پس مخلوق پر غیظ و غضب کسی ایسے امور میں کہ اس نے ہی اسے کیا ہے یا چھوڑا ہے یہ کمال توحید کے منافی ہوا جیسا کہ علم خداوندی میں افعال کی وحدت مقرر اور ثابت شدہ ہے) جیسا کہ اوپر ابو نعیم کی روایت میں تصریح ہے، ولو قدر شئی کان کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا ۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے یہاں پر رضا بالقضاء کا دلچسپ مضمون لکھا ہے :

یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایت لذت ہے، اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا برقضا کی اصل اور سند ہے ۔ رابعہ بصریہ کا مشہور مقولہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہوگا اور کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس جامعیت کے کمال پر تھی ۔ بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہ سکا ۔ اس لئے حضرات صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور ﷺ کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا ۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا ۔ البتہ اللہ جل شانہٗ کی کسی حرمت کی ہتک کی جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور لیتے تھے ۔ (خصائل ص:۳۰۴)

و ذکر الشیخ ابراهیم البیجوریؒ ما قال لی لشئی صنعته لم صنعته ولاشئی

ترکته لم ترکته ای لشدة وثوقه و یقینه بالقضاء و القدر و للٰلک زاد فی روایة و لکن یقول قدر اللّٰه وماشاء فعل ولو قدر اللّٰه کان ولو قضی لکان ۔(مواہب ص۲۵۲)(شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی کوئی کام کیا ہے تو آپؐ نے مجھے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ جب میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ یہ کیوں چھوڑ دیا (یہ اس لئے) کہ آپ ﷺ قضا وقدر پر پورا الیقین اور مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ اسی لئے تو ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ جو اللہ نے مقدر کیا اور وہ جو بھی چاہتا ہے کرتا ہے (یا یہ فرماتے) کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو قضا وقدر میں مقدر ہو ویسے ہی ہو جاتا ہے)

سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب :

حضرت انسؓ کے چند جملے حضور اقدس ﷺ کی سیرت وسوانح کا ایک عظیم باب ہیں۔ آپ کے کریمانہ اخلاق ٗصبر ٗحسن معاشرت ٗحلم وعلم ٗتحمل وبردباری ٗعفو ٗچشم پوشی و تسامح ٗزبان کی عفت وعصمت ٗخدام پر شفقت وتالیفِ قلوب اور وسعتِ رحمت وعنایت کی ایک خوبصورت منظر کشی ہے۔ علامہ بیجوریؒ اسی بات کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کر رہے ہیں۔

وفی ذلک بیان کمال خلقه و صبره و حسن عشرته و عظیم حلمه و صفحه و ترک العقاب علی مافات و صون اللسان عن الزجر والذم للمخلوقات و تالیف خاطر الخادم بترک معاتبه علی کلا الحالات وهذا کله فی الأمور المتعلقة بحظ الانسان ۔(مواہب ص۲۵۲)

حضرت انسؓ کی عظمت ومقام :

نیز اس سے حضرت انسؓ کی فضیلت وعظمت ٗ خدمت واطاعت اور کمال محبت کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے کہ وہ مکمل دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر کسی بھی خلاف شرع امر کے مرتکب نہیں ہوئے، کیونکہ خلاف شرع کام پر آپ ﷺ کا سکوت

ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں تسامح نہیں فرماتے بلکہ (آپ ﷺ کی عادت مستمرہ تھی) کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے محارم (ممنوعات) کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ کا غیظ وغضب بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ بیجوریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ خلاف تسامح فیه لأنه اذا انتهک شی من محارم اللّٰه اشتد غضبه و هذا یقتضی ان انسا لم ینتهک شیئاً من محارم اللّٰه و لم یرتکب ما یوجب المؤاخذة شرعاً فی مدة خدمته له صلی اللّٰه علیه وسلم ففی ذلک منقبة عظیمة له و فضیلة تامة ۔(مواہب ص۲۵۳)

اخلاقِ حمیدہ :

وکان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من احسن الناس خلقا۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق کے لحاظ سے تمام لوگوں سے احسن وافضل تھے۔ اس سے قبل آپ ﷺ کے ایسے اخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا، جو حضرت انسؓ سے متعلق تھا۔ یہاں آپ ﷺ کے ان اخلاقِ حسنہ کا بیان ہے ٗجو عام لوگوں کے ساتھ تھے۔ گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ هذا شانه مع عموم الناس لامع خصوص انس قال تعالیٰ و انک لعلی خلق عظیم و قال ! لو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک (مواہب ص۲۵۳) (حضور ﷺ کے ایسے حسن اخلاق کا یہ برتاؤ صرف حضرت انسؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ﷺ تو عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں حسن اخلاق کے پیکر تھے اللہ تعالیٰ نے وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم (اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں) میں عالی اخلاق پر ہونے کی سند عطا فرمائی اور فرمایا کہ "اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے)

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

مبارک ہاتھوں کی ملائمت :

ولا مسست خزا ...... یعنی حضور اقدس ﷺ بلندیٔ اخلاق اور عظمتِ خلق

کی طرح اپنی خِلقت میں بھی انتہائی لطیف اور حسین وجود رکھتے تھے۔ یہ الفاظ اس سے ماقبل بیان کردہ روایت ﴿شثن الکف﴾ (ای غلظهما) کے منافی نہیں ہے۔ لان المراد انه کان ناعما غلیظ اللحم والعظم فاجتمع له نعومة البدن و قوته (مناوی ج۲ ص۱۹۲) (اس لئے کہ ان (دونوں روایات کا حاصل)

اور مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک نرم وملائم ہونے کے ساتھ (ہڈی اور جوڑوں کی حیثیت سے) انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔ تو گویا آپ ﷺ میں بدن اور اعضاء کی قوت کے ساتھ ان کے ملائم ہونے کی کیفیت مجتمع تھی)

حدیث مسلسل بالمصافحہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے، جس سے حضرات صحابہ کرامؓ اور محدثین رضی اللہ عنہم اجمعین کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غایتِ محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ ایک مرتبہ غایتِ فرحت ولذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے اِن ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا۔

میں نے کبھی کسی قسم کا حریر یا ریشم حضور اکرم ﷺ کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھا۔ شاگردتے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی، اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں، جن ہاتھوں نے حضور ﷺ سے مصافحہ کیا۔

اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ مسلسلات میں بھی اس کو ذکر کیا ہے، جس کے ذریعہ سے میرے اُستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ تک بھی اسی طرح پہنچی۔ (خصائل ص۳۰۵)

وجودِ مسعود کی مبارک خوشبو :

و لا شممت مسکاً قط ...... یعنی یہ خوشبو آپ ﷺ کے وجود مبارک کی اپنی خوشبو تھی، کسی عطر یا مشک وغیرہ کی خوشبو نہیں تھے۔ اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں " اِنَّ بِلْکَ کَانَتْ رَائِحَتُہٗ بِلَاطِیْب کہ یہ خوشبو بدون خوشبو لگائے ہوئے کے تھی۔ گویا خود آپ ﷺ کے وجودِ اقدس وطہری کی تھی، نہ کہ اس پر لگائی ہوئی۔ ریحه اللذية لا المكتسبة (مناوی ج۲ ص۱۹۲) آنحضور ﷺ کا وجودِ مبارک طیب ومطیب تھا، جس راستے سے آپ ﷺ گذرتے تھے، صحابہ کرامؓ آنجناب ﷺ کی خوشبو پاکر اسی راستے پر جاتے اور آپ ﷺ کو پالیتے۔ رئیس المحدثین امام بخاریؒ تاریخ کبیر میں حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس راستے پر سے گذرتے اور کوئی شخص آنجناب ﷺ کو تلاش کرتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ اس راستہ سے تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرّ فی طریق من طرق المدینة و جدوا منه رائحة الطیب و قالوا مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هذا الطریق (اخرج البزار و ابویعلی) حضور سید دوعالم ﷺ جب مدینہ منورہ کے بازاروں میں سے کسی بازار میں تشریف لے جاتے، تو صحابہؓ آپ ﷺ کی خوشبو پاکر اسی راستے سے آپ ﷺ کو پالیتے اور کہتے کہ حضور ﷺ اسی راستے سے گذرے ہیں

ایک بار حضور اقدس ﷺ حضرت انسؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو پسینہ آیا، فجاءت امه بقارورة تجمع فیها عرقه فسألها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن ذالک فقالت نجعله فی طیبنا و هو اطیب الطیب۔ تو حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ ایک شیشی لائیں اور اس میں حضور ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کرنے لگ گئیں۔ آنحضور ﷺ نے اس پسینے کے جمع کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں عرض کیا ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملادیں گے اور یہ پسینہ مبارک اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ قالت یا رسول اللہ نرجو برکتہ لصبیاننا قال اصبت وروی البخاری نحوہ کہ ام سلیمؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم توی اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارے بچے اس سے بابرکت ہو جائیں گے۔ شفیق اُمت مومنوں پر رؤف ورحیم پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ام سلیم! تو نے سچ کہا۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: وفیہ استحباب التبرک والتقرب بآثار الصالحین قیل لما حضر انس بن مالک الوفاۃ اوصی ان یجعل فی حنوطہ من ذالک الطیب یعنی اس سے ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کی نشانیوں کا تقرب اور تبرک حاصل کرنا مستحب ہے، کہا گیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو سے مجھے خوشبو لگائی جائے۔

حضور اقدس ﷺ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو اپنے ہاتھ سے حضور ﷺ کے دست ہائے مبارک کو چھونے کی بدولت خوشبو آتی رہتی اور اگر کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے:

قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الاولی ثم خرج الی اھلہ و خرجت معہ فاستقبلہ ولدان فجعل یمسح خدی احدھم واحداً واحداً واما انا فمسح خدی فوجدت لیدہ برداً وریحاً کانما اخرجھا من جونۃ عطار (رواہ مسلم) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ادا کی۔ حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لئے مسجد سے نکلے۔ میں بھی آنحضور کے ساتھ چل پڑا۔ پس جو بچے آپ ﷺ کے سامنے سے آتے تو ہر ایک کے رُخسار پر دست شفقت پھیرتے، جب میری باری آئی تو میرے دونوں رخساروں پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا، میں نے حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کی ٹھنڈک کو پایا اور خوشبو بھی پائی۔ وہ خوشبو ایسی تھی گویا کہ ابھی کسی عطر فروش کے ڈبے سے نکلی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے: عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی النبی صلی

اللہ علیہ وسلم فقال انی زوجت ابنتی و احب ان تعیننی قال ما عندی شئی ولکن ائتنی بقارورۃ واسعۃ الرأس و عود شجرۃ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسلت العرق من ذراعیہ حتی امتلئت القارورۃ قال خذھا و امر بنتک ان تغمس ھذا العود فی القارورۃ و تطیب بہ فکانت اذا تطیبت یشم اھل المدینۃ رائحۃ الطیب فسموا بیت المطیبین ۔(اخرج ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط و ابن عساکر)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آنجناب ﷺ بھی میری امداد فرما دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں، مگر ہاں ایک کھلے منہ والی بوتل لاؤ وہ لے آیا تو حضور ﷺ نے اپنے بازوؤں مبارک سے پسینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالا اور فرمایا یہ لے جاؤ اور اپنی لڑکی سے کہہ دے کہ اس شیشی سے پسینہ مبارک لے کر بطور خوشبو استعمال کرے۔ چنانچہ جب کبھی وہ اس پسینہ مبارک کو بطور خوشبو استعمال کرتی تو تمام مدینہ منورہ اس خوشبو سے مہک جاتا۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام ہی خوشبو لگانے والوں کا گھر پڑ گیا۔

ابراہیم بن اسماعیل حرنی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے:

انہ اردفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالتقمت خاتم النبوۃ بفمی فکان شیم علی مسکا ۔ یہ کہ حضور ﷺ نے مجھے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ کے اندر لے لیا تو اس سے مشک کی مہک اور لپٹ آرہی تھی

(۳۳۲/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ عِنْدَهٗ رَجُلٌ بِهٖ اَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ اَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهٗ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ

بَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید اور احمد بن عبدۃ ضبی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کرتا گوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے۔ اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

راوی حدیث (۶۱۳) سلم العلوی " کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں۔

بہ اثر صفرۃ ...... یعنی اس کے کپڑوں پر زرد رنگ کا نشان تھا۔ اس کے کپڑوں پر ایک قسم کی خوشبو لگی ہوئی تھے، جس میں زرد زعفران کا اثر تھا اور یہ خوشبو عموماً زفاف کے موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ اسے کہتے کہ زردی لگانا چھوڑ دے۔

یعنی حضور ﷺ نے اس وقت موجود صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ کیا ہی بہتر ہوتا اور اچھا ہوتا کہ تم لوگ اس کو زعفرانی خوشبو کے استعمال کرنے سے منع کر دیتے۔ ولو ھنا شرطیة او للتمنی، والظاھر ان ھذا الرجل کان ممن یخشی منه مخالفة النبی صلی اللہ علیه و سلم فلو عزالی أحد الصحابة أن یکلموہ (اتحافات ص ۲۷۲) (اور یہاں لفظ لو شرطیہ ہے یا پھر تمنی کے لئے استعمال ہوا اور حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص سے نبی کریم ﷺ کو اپنی مخالفت کا خوف متصور تھا تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی کو اشارۃً فرمایا کہ اس سے اس سلسلہ میں (زعفرانی خوشبو کے استعمال سے منع کرنے میں) گفتگو کر لیں)

ترک مواجہت میں بھی مصلحت تھی :

لا یکاد یواجه ...... حضور ﷺ نے اس کی موجودگی میں کچھ نہیں فرمایا اور اس کے جانے کے بعد یہ تمنا کی۔ اس میں بھی ایک حکمت اور مصلحت تھی۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں، لان مواجهته ربما تفضی الی الکفر لان من یکرہ امرہ و یابی امتثاله عناداً او رغبة عنه یکفر و فیه مخافة نزول العذاب والبلاء ...... ففی ترک المواجهة مصلحة۔ (مناوی ج ۲ ص ۱۹۳) (اس لئے کہ اس کو منہ در منہ بات کرنے سے کبھی کفر تک پہنچ جانے کی نوبت ہو سکتی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کے فرمان مبارک سے ناپسندیدگی کا اظہار اور آپ ﷺ کے حکم کو ضد اور ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور اس سے روگردانی کرنا کفر ہی تو ہے اور اس صورت میں عذاب خداوندی اور مصائب کے نازل ہو جانے کا قوی خطرہ موجود تھا تو اس لئے ترک مواجہت (آمنے سامنے کچھ نہ کہنے) میں بڑی مصلحت پوشیدہ تھی)

سرور دو عالم ﷺ کا اس مجلس میں اس شخص کو غایت شفقت و حیا کی وجہ سے منع نہ فرمانا۔ یہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ اس قسم کی خوشبو لگانا حرام نہیں ہے، ورنہ حرام کام کرنے کو حضور سرور عالم ﷺ کسی وقت بھی برداشت نہیں فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص بھی کسی غیر شرعی کام کو کرتا اور آپ ﷺ دیکھ لیتے تو اس وقت آپ ﷺ کا مزاج شریف غصہ کے عالم میں بدل جاتا اور پھر صحابہ کرام اس کیفیت کو دیکھ کر کانپ اُٹھتے۔

یعنی شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اس خوشبو کا استعمال حرام نہیں تھا، اگر حرام ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کے مجلس سے اُٹھ جانے تک کا انتظار نہ فرماتے اور اس کو اس خوشبو کے استعمال کے ترک کرنے کا حکم فرماتے۔

(۳۳۳/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْجَدَلِیِّ وَاسْمُهٗ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِیْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَّعْفُوْ وَيَصْفَحُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے ابوعبداللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے نقل کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے، نہ تکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چلّا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۲۱۴) ابی عبداللہ الجدلی " کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں۔

فاحشاً و متفحشاً کی تشریح :

فاحشاً " جس کے اقوال، افعال، اعمال، صفات میں قباحت، بد خلقی اور بخیلی ہو، و استعماله فی القول اکثر (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) (اور اس کا استعمال قول کی قباحت میں زیادہ ہے متفحشاً جو خواہ مخواہ فحش کو بنے گی بند می مجلس بنائے " ای متکلفاً للفحش فی ذلک (مناوی ج ۲ ص ۱۹۴) بعض آدمی طبعاً فحش اور بے ہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بہ تکلف مجلس کے طرز کو نبھانے کے لیے فحش گوئی کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کی نفی کر دی۔ بازار میں بھی بہ ضرورت جانے کی ممانعت نہیں، مگر وہاں جا کر شور شغب وقار کے خلاف ہے۔

ملا علی قاریؒ کا ارشاد :

علامہ ملا علی قاریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ والمراد بالفاحش فی الحدیث ذوا لفحش فی کلامه و فعله و المتفحش بتکلف الفحش و بتعمده فنفت عنه صلی الله علیه وسلم الفحش و المتفحش به طبعاً و تکلفاً (جمع ج ۲ ص ۱۹۴) یعنی اس حدیث میں غیر اخلاقی انداز تکلم اختیار کرنے والے کو خواہ وہ طبعاً ہو یا تکلفاً فحش گو کہا گیا ہے اور

متفحش سے بہ تکلف فحش کہنا اور دیدہ دانستہ اس پر عمل پیرا ہونا مراد ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے ام المومنینؓ نے فحش اور متفحش ہونے کی نفی فرما دی۔ گویا آپ ﷺ نہ طبعاً اور نہ ہی تکلفاً فحش گو تھے۔

شور و شغب سے مکمل اجتناب :

ولا صخاباً فی الاسواق ...... صخاب شور مچانے اور غل غپاڑہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی بازاروں میں چیختے چلاتے نہ پھرتے تھے، بلکہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آنحضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے موقع پر یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ کعب احبار نے کہا کہ : فی التوراۃ محمد عبدی لیس بفظ ولا غلیظ ولا صخوب فی الاسواق تورات میں ہے محمد ﷺ میرا بندہ ہے، اکھڑ اور سخت مزاج نہیں ہے، نہ بازار میں چلانے والا اور نہ ہی شور کرنے والا۔

وسائل الوصول میں علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں : نبی علیہ السلام کبھی کوئی ناشائستہ اور نازیبا بات نہیں کرتے تھے۔ بازاروں میں اونچی آواز سے بات نہیں کرتے تھے۔ کوئی آپ ﷺ کے ساتھ برائی کرتا تو اس کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ اسے معاف کر دیتے تھے۔ تورات میں خدا نے آپ ﷺ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ نہ بری شکل والا، نہ سخت مزاج ہے اور نہ بازاروں میں اونچی آواز سے بولتا ہے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا، لوگوں کو معاف کر دیتا ہے، اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے۔ طابہ (مدینہ منورہ) میں ہجرت کرے گا وہ (ﷺ) اور اس کے ساتھی (رضوان اللہ علیھم اجمعین) تہبند باندھتے ہوں گے اور وضو کرتے ہوں گے (وسائل الوصول)

برائی کے بدلے برائی نہ کرتے :

ولا یجزی بالسئیة ...... یعنی اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، لیکن درگذر فرماتے اور اعراض فرماتے یعنی اگر آنحضور ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بد اخلاقی،

برائی اور بدی سے پیش آتا تو حضور اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے انتہائی کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق سے بخش دیتے اور معاف فرما دیتے۔ حضور پاک شفیق امت رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہزار ہا ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ صاحب روض نظیف فرماتے ہیں : يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ عَنْ جَانٍ جَنىٰ كَرَمًا وَيَقْبَلُ الْعُذْرَ عَمَّنْ جَاءَ يَعْتَذِرُ ...... یعنی آپ ﷺ اپنے کرم سے ہر خطاوار کی خطا کو معاف فرما دیتے اور درگذر فرماتے اور جو کوئی عذر کرتا ہوا آتا آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے۔

عفو و درگذر :

و لكن يعفو و يصفح : عفو کے معنی ترک عقوبة المذنب (مجرم کی سزا کو ترک اور معاف کر دینا) اور صفح کا معنی اعراض عن تثريب المذنب (مجرم کے جرم و قصور سے اعراض اور روگردانی کرنا) کے ہیں۔ او المراد يعفو بباطنه و يصفح اى يعرض بظاهره ..... و ذلك منه طبعاً و امتثالا لقوله سبحانه و تعالى فاعف عنهم واصفح و حسبك عفوه و صفحه عن اعدائه اللذين حاربوه و بالغوا فى ايذائه حتى كسروا رباعيته و شجوا وجهه وما من حليم الا و قد عرف له زلة لوهفوة تخدش فى كمال حلمه الا المصطفى فانه لايزيده شدة الايذاء له والجهل عليه الاعفوا و صفحاً (مناوی ج ۴ ص ۱۹۳) (یا يعفو و يصفح کا مطلب یہ کہ آپ اندرونی طور پر معاف کر دیتے اور ظاہری طور اعراض اور چشم پوشی کا معاملہ فرمایا کرتے اور یہ صورتحال آپ ﷺ سے طبعاً اور بطور امتثال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کے کہ اے حضور! آپ ﷺ ان لوگوں سے صفح اور درگذر فرمائیے۔ آپ ﷺ کے عفو و درگذر فرمانے کے حالات واقعات کے سلسلہ میں یہی کافی وشافی ہے کہ آپ ﷺ نے تو ان دشمنوں سے بھی عفو اور درگذر کرنے کا معاملہ فرمایا۔ جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ وجدل ایذا رسانی اور ظلم ڈھانے میں اس حد تک گئے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا اور اگلے دانت بھی توڑ دیے۔ دنیا میں کوئی بردبار اور حلیم ایسا نہیں کہ اس کی لغزشیں اور ہفوات اس کے حلم و بردباری کے کمال کو تخدوش نہ کریں صرف محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے اس پر ایذا اور جہالت کی زیادتی

اس کے تحمل عفو اور درگذر فرمانے کی زیادتی کا سبب بن جاتے ہیں)

بُرائی کا بدلہ برائی سے نہ دینے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی ساری سوانح بھری ہوئی ہے کہ کفار سے کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچیں۔ اُحد کی لڑائی میں حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا اور جب صحابہؓ نے ان حالات سے متاثر ہو کر حضور ﷺ سے بددعا کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما کہ یہ ناواقف ہیں۔ زید بن سعنہ پہلے یہودی تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی علامتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں رہی جس کو میں نے حضور ﷺ سے نہ دیکھ لیا ہو۔ بجز دو علامتوں کے جن کے تجربہ کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا۔ اسی قدر آپ کا تحمل زیادہ ہوگا۔ میں ان دونوں کے امتحان کا موقع تلاش کرتا رہا اور آمد و رفت بڑھاتا رہا۔ ایک بار آپ ﷺ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے کہ ایک بدوی شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ! میری قوم مسلمان ہو چکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ گے تو بھرپور رزق تم کو ملے گا اور اب حالت یہ ہے کہ قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اسلام سے نہ نکل جائیں۔ اگر رائے مبارک ہو، تو آپ کچھ اعانت ان کی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ایک شخص کی طرف جو غالباً حضرت علیؓ تھے دیکھا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! موجود تو کچھ نہیں رہا۔ زیدؓ جو اس وقت یہودی تھے، اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہنے لگے کہ محمد ﷺ اگر آپ ایسا کر سکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں وقت معین پر مجھے دیدو تو میں قیمت پیشگی اب دیدوں اور وقت معین پر کھجوریں لے لوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کر سکتا ہوں میں نے اس کو قبول کر لیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے) دیدیا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کر لو۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضورؐ صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ بھی تھے کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے پلّوں کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا اے محمد! (ﷺ) آپ میرا قرضہ ادا نہیں کرتے خدا کی قسم! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو جانتا ہوں کہ بڑے نادہندہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے (حضور ﷺ) کا ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اُڑا دیتا، لیکن حضور ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور تبسم کے لہجہ میں عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے۔ وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ اس کو لے جاؤ اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے اس کے بدلے میں بیس (۲۰) صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دیدینا۔ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع یعنی دو من کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ زیدؓ نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے، میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں انہوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا۔ میں نے کہا کہ علاماتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھی، جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کا علم آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا اب دونوں کا بھی امتحان کر لیا، لہٰذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بناتا ہوں اور میرا آدھا مال امتِ محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے۔ اس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔ (تنبیع الوسائل)

(۳۳۳/۶) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَّلَا امْرَأَةً.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہ نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو

ماضرب بیدہ ...... سوائے جہاد کے کسی کو بھی اپنے ہاتھ مبارک سے نہیں مارا۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شیئا سے مراد آدمی ہے کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ نے اپنی سواری کے جانور کو مارا ہے۔ نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ دست بدست لڑائی جنگ اُحد میں واقع ہوئی تھی اور آنحضورؐ کے ہاتھ مبارک سے اُبی بن خلف مارا گیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجاہدہ سے مراد صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام بھی ہو سکتا ہے۔ نیز حدود و تعزیر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے اور حضور پاک ﷺ نے نہ تو کسی خادم کو نہ ہی بیوی کو کبھی مارا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایضرب مع وجود اسباب الضرب لأن الحلم کان طبعہ و کظم الغیظ کان سجیتہ۔ (اتحافات ص: ۲۷۳) (نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی مارنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود نہیں مارا کیونکہ تحمل برداشت اور غصہ کو پی لینا آپ ﷺ کی طبیعت اور عادتِ مبارکہ تھی)

شیخ ابنؒ حجر فرماتے ہیں کہ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے، چونکہ اکثر انہی دو گروہوں کے ساتھ مار کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے اور شمائل کے حاشیہ پر ہے: ھذا النفی مندرج تحت نفی العام الا انہ خصہ بالذکر اھتماما بشانہ و وجھہ ان ضرب الزوجۃ و الخادم و ان کان مباحا

فلادب فتر که افضل ۔یعنی یہ نفی عام کے تحت ہے اور خصوصی طور پر ان دو کے ساتھ ذکر ہوئی ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے اگر چہ ادب کے لئے عورت یا خادم کو مارنا بھی مباح ہے مگر اس کا ترک یعنی نہ مارنا افضل و بہتر ہے ۔

البتہ علامہ ملا علی قاریؒ اس پر اضافہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں، قالوا بخلاف الولد فالاولی تادیبہ و الفرق ان ضربہ لمصلحۃ تعود علیہ فلم یندب العفو بخلاف ضربھما فانہ لحظ النفس فندب العفو عنھما مخالفۃ لھوی النفس و کظما لغیظھا (جمع ج ۲ص۱۹۵) (فقہاء کرام (بیوی اور خادم کے نہ مارنے کو افضل کہنے کے باوجود)اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنے کو افضل و بہتر سمجھتے ہیں ۔اور اس میں فرق اس لئے ہے کہ اولاد کو مارنا بوجہ ایسی مصلحت کے ہوتا ہے جس کا نفع اس کو پہنچتا ہے اس لئے اس کی غلطی سے عفو و درگذر کرنا اچھا نہیں بخلاف بیوی اور خادم کو مارنے کے کہ یہ اپنے نفس کے حظ اور خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے تو اپنے نفس کی مخالفت اور غصہ پی لینے کے لئے ان دونوں کو (ان کی غلطی پر) معاف اور درگذر کرنا اچھا اور مستحب ہے)

(۳۳۵/۷) حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِنْ مَظْلِمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَالَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ فَاِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ كَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِيْ ذٰلِكَ غَضَبًا وَمَاخُيِّرَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ مَاْثَمًا.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبدۃ ضبی نے یہ روایت بیان کی ۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے زہری سے اور انہوں نے عروۃ سے نقل کیا۔انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو ۔البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی

حرمت کی ہتک ہوتی تو حضور اکرم ﷺ سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا ۔

حضور اقدس ﷺ جب کبھی دو امروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے ،تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

راوی حدیث (۶۱۵) فضیل بن عیاضؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں ۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

مارأیت ..... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کبھی بھی نہیں دیکھا کہ اپنی ذات کے لئے کسی شخص کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ منتصراً 'کا مصدر انتصار ہے'جس کا معنی ہے بدلہ لینا' انتقام لینا' غائب ہونا' مظلمۃ جو ناحق تجھ سے لیا جائے' اگر لام کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی ستم کے ہیں ۔وقیل بالکسر والفتح الظلم وھو وضع الشئی فی غیر محلہ (جمع ج ۲ص۱۹۲) (ملا علی قاریؒ مظلمۃ (بکسر اللام وفتحہ) کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز کو بے جا استعمال کرنا یا اپنے مرتبے سے گھٹانا) ینتھک 'انتھاک سے ہے'جس کے معنی ہیں پھاڑنا' کھینچ کر کاٹ ڈالنا' فضیحت و رسوائی کرنا۔

اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیتے :

یہ آنحضور ﷺ کا کمال اخلاق تھا کہ جس شخص نے بھی آپ ﷺ پر جتنی بھی زیادتی کی' حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بلکہ اسے معاف فرما دیا۔علامہ یوسف نبھانیؒ تحریر فرماتے ہیں : اگر آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شخص بدسلوکی کرتا تب بھی آپ ﷺ اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرتے' معذرت خواہ کوئی بھی ہوتا، اس کی معذرت قبول کرتے ،کوئی آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاتا تو اس سے درگذر کرتے اور فرماتے خدا میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے ۔انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں، مگر انہوں نے صبر کیا (وسائل الوصول)

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جنگ اُحد میں جب عتبہ نے آپ ﷺ پر

پتھر چلایا اور آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور چہرۂ انور خون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اس موذی کے لئے بددعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ ! میری قوم کو ہدایت فرما یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور ﷺ کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلہ لدوا دو تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو، گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے تمہارا نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا، میں غلہ نہیں دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم ! میں بدلہ نہیں دیتا۔ حضور اکرم ﷺ تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیا۔ ہم لوگ حضور ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ اتباع کے دعوے دار ہیں، یہاں ذرا سی بات خودداری کے خلاف ہو جاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

اسہل الامرین کو اختیار کرنا :

وما خیر بین امرین ...... حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جب آپ ﷺ کو بالخصوص امت کے حق میں دو امروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ امت کے لئے جو سہل ہوتا اس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی اُمور میں جہاں دو رائیں ہوتیں، ان میں سے سہل کو اختیار فرماتے، جب تک کہ اس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور ﷺ کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ تھا۔ اس سلسلے میں شیخ بیجوریؒ نے دینی اور دنیوی اُمور میں الاخذ بالایسر (آسان صورت پر عمل کرنے کی مختلف مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ ولمی معنی ذلک الاخذ برخص اللہ تعالیٰ و رسولہ و رخص العلماء مالم یتبع ذلک بحیث تنحل ربقۃ التقلید من عنقہ۔ (مواہب ص ۲۵۶) (اور اسی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ، رسول اور علماء امت کی طرف سے بتلائی گئی رخصتوں

(سہولتوں) پر ایسے انداز اور اس طرح عمل کرنا کہ جس سے دامن تقلید سے خلاصی اختیار نہ کی گئی ہو)

(۳۴۶/۸) حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَہٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَۃِ اَوْ اَخُو الْعَشِیْرَۃِ ثُمَّ اَذِنَ لَہٗ فَاَلَانَ لَہُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَہُ الْقَوْلَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَہُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَہُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِہٖ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے عروہ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا بُرا آدمی ہے۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرما دی اور اس کے اندر آنے پر اس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ حضور ! آپ ﷺ نے اُس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا، پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ ! بدترین لوگوں سے ہے، وہ شخص کہ لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیں۔ استاذن رجل ...... بعض نے کہا کہ یہ شخص عیینۃ بن حصن الفزاری تھا۔ بعض نے کہا کہ وہ مخرمہ بن نوفل تھا، ولا یبعد تعدد القضیۃ ولم یکن اسلم حینئذ و ان کان قد اسلم ظاھرا (الجمع ج ۲ ص ۱۹۹) (اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ واقعہ متعدد ہوا ہو اور وہ شخص اس وقت تک (حقیقی) مسلمان نہیں تھا اگرچہ ظاہری طور پر اسلام لایا تھا)

”رجل“ کون تھا :

بئس ابن العشیرۃ او اخو العشیرۃ ..... یہ راوی کا شک ہے کہ ابن فرمایا اخ

فرمایا العشیرہ قبیلہ کو کہتے ہیں۔ گویا یہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا۔ اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا، تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔

دفعِ مضرت کے لئے برائی بیان کرنا غیبت نہیں ہے :

حضور اقدس ﷺ نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ بہ نیت اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھی۔ اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کی برائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو۔ اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اُس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیفِ قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصی عادت شریفہ تھی۔ نیز حضور اقدس ﷺ کی عادتِ شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اس کے آنے سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس پر متنبہ بھی کردیا تا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرز کی وجہ سے اس کو مخلص نہ سمجھیں۔ وہ کچھ بھلا آدمی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کے اس طرزِ معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں یا کوئی راز کی بات اس کے سامنے کہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ (خصائل ص:۳۱۲)

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ و لیس ذلک غیبة بل هو من النصیحة و الشفقة علی الامة لیعرف حال المقول علیه علی ان عیبة کان اذ ذاک متزلزل

الایمان مضمر النفاق بدلیل انه اظهر الردة بعد المصطفیٰ صلی اللّٰه علیه وسلم و جئی به ابی بکرؓ اسیراً فکان الصبیان یصیحون به فی ازقة المدینة هذا الذی خرج من الدین فیقول عمکم لم یدخل حتی خرج فکان ذلک القول من المصطفیٰ صلی اللّٰه علیه وسلم علما من اعلام النبوة و معجزة له لاخباره بغیب وقع۔ (مناوی ج ۳ ص ۱۹۹)

اور یہ امر آپ ﷺ کا اپنی امت کے حق میں غیبت کا مقام نہیں رکھتا، بلکہ اس میں امت کے واسطے نصیحت اور شفقت کا مواد موجود ہے اور اس کا اظہار اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے حال و قال رکھنے والے شخص کی غیر موجودگی میں اس کی صحیح پہچان ہو جائے کہ اس کا ایمان ڈانواڈول اور اس کے دل میں نفاق کے جراثیم موجود ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص کا ارتداد نبی کریم ﷺ کے بعد ظاہر ہو گیا اور وہ لایا گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے قیدی کی حیثیت سے' جبکہ بچے اس پر پھبتیاں کس رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے' جو دین سے نکل گیا ہے، وہ کہتا کہ تمہارا چچا داخلِ اسلام کب ہوا تھا۔ پس آپ ﷺ کا یہ ارشاد آپ ﷺ کی نبوت صادقہ کی واضح علامات میں ایک علامت اور معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ جس بات کی آپ ﷺ نے پیشگی خبر دی تھی، وہ ویسے ہی واقع پذیر ہوئی۔

فقہاءؒ کہتے ہیں کہ علی الاعلان فسق کرنے والے (فاسق معلن) کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں' حدیث میں ہے فاجر کے عیب بیان کرو کہ لوگ اس سے اجتناب کریں۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ تین شخصوں کی حرمت نہیں، ایک صاحب ہوئی' دوسرا فاسق معلن' تیسرا ظالم بادشاہ یعنی ان کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں۔

ان من شر الناس ...... اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد بد ترین شخص کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو۔ یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے یا اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات سے ہے۔ یعنی مجھے فحش گو تو نے کب دیکھا تھا کہ اس کی خطر تھی۔

وہ برا شخص ہے، جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اُس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ میں

اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس بھی آمد ورفت چھوڑ دیں۔ جس سے اگرچہ نقصان ہے، مگر حضور اکرمؐ ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

مدارات اور مداہنت کا فرق :

فقہاء کرامؒ نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسق معلن کے عیوب بیان کرنا غیبت نہیں وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لئے اتنی مدارات جائز ہے، جو مداہنت فی الدین کے درجہ کو نہ پہنچے۔ ملا علی قاریؒ نے مداہنت اور مدارات کا فرق یوں بیان کیا ہے۔ والفرق بین المداراة و المداهنة ان المداراة بذل الدنيا لصلاح الدنيا او الدين او هما معا و هي مباحة و ربما تكون مستحسنة والمداهنة بذل الدين لصلاح الدنيا (جمع ج ۲ ص ۲۰) (مداہنت اور مدارات کا فرق اور امتیاز یہ ہے کہ مدارات میں دنیا کو یا تو صرف دنیا کی بھلائی و درستگی کے لئے خرچ و قربان کرتا یا پھر صرف دین کی بھلائی کے لئے اور یا دین و دنیا دونوں کی بھلائی کے لئے قربان کر دینا اور یہ (شرعاً) مباح بلکہ بعض اوقات مستحسن اور مستحب ہے اور مداہنت کا معنیٰ دین کو دنیا کی بھلائی اور درستگی کے لئے قربان کر دینا ہے)

اُصول جرح وتعدیل :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ فرماتے ہیں :

اس حدیث سے جرح کا اُصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا روایانِ حدیث کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تاکہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرامؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق روایت سے اُصولِ تعدیل ثابت کرتے ہیں۔ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اچھا آدمی ہے اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کی نماز (تہجد) میں قدرے سستی کرتے تھے، مگر جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نماز میں

گزارنے لگے۔

الغرض! حدیث کے باب میں اُصول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثینؒ جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا یا اس کو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقۃ، ثبت یا عالم وغیرہ کہتے ہیں۔

(۲۳۷/۹) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِّنْ وُّلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِّاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ وَّلَا فَحَّاشٍ وَّلَا عَيَّابٍ وَّلَا مُشَاحٍ يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهٗ مِنْ ثَلَاثٍ الْمِرَآءِ وَالْاِكْبَارِ وَمَا لَا يَعْنِيْهِ وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَّلَا يَعِيْبُهٗ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهٗ وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَاؤُهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ فَاِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهٗ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَمَسْئَلَتِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهٗ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَيَقُوْلُ اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَاَرْفِدُوْهُ وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ اِلَّا مِنْ مُّكَافِئٍ وَّلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعُهٗ بِنَهْيٍ اَوْ قِيَامٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن وکیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہؓ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت

ابو عبداللہ تمیمی۔ وہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے حضور رسول کریم ﷺ کے متعلق پوچھا کہ آنحضور ﷺ کا طور وطریقہ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا تھا، تو انہوں نے فرمایا، ہر وقت ہنس مکھ ہوتے، نرم اخلاق والے تھے، نرم طبیعت تھے، نہ تو سخت کلام اور نہ ہی تند خو تھے، نہ تو چلّانے والے اور نہ ہی فحش گو تھے، نہ کسی کے عیب بیان کرنے والے، جو چیز پسند نہ فرماتے، اس سے تغافل برتتے اور اسے ناامید بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب نہ دیتے۔ تین باتوں سے اپنے آپؐ کو بالکل محفوظ کر رکھا تھا، جھگڑے سے، تکبر سے اور لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا، نہ کسی کی مذمت کرتے تھے، نہ ہی کسی کا عیب بیان کرتے تھے اور نہ ہی کسی ایسی چیز کی جستجو کرتے تھے کہ جس کے واقع ہونے سے عار آتی ہو۔ آپ ﷺ گفتگو نہیں فرماتے تھے، مگر وہی جس سے ثواب کی اُمید ہوتی ہو، اور جس وقت آنحضور ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نہایت ہی خاموش آنکھیں نیچے کیے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تو آپ ﷺ کے ہم مجلسؓ گفتگو کرتے اور آنحضور ﷺ کی موجودگی میں اپنی باتوں میں کسی قسم کا جھگڑا نہ کرتے اور جو شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں عرض معروض کرتا، باقی سب کے سب خاموش رہتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو جاتا۔ ان حضرات کی بات حضور اکرم ﷺ کے حضور مبارک میں ایسی ہوتی، جیسے ان میں سے پہلے شخص کی بات، جس بات سے سب حضرات ہنستے۔ آپ ﷺ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب تعجب فرماتے، آپ بھی تعجب فرماتے اور آپ ﷺ اجنبی یا مسافر کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے پوچھنے پر صبر کرتے تاآنکہ حضور ﷺ کے صحابہؓ مسافروں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آتے اور حضور پاک ﷺ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ جب کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کی امداد کرو۔

آپ ﷺ اس شخص کی تعریف کرنا منظور فرماتے، جو حد سے تجاوز نہ کرتا، کسی

ایک کی گفتگو منقطع نہیں فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا، پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔

یہ حدیث اسی طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جو آپ ﷺ کی تواضع کے باب میں ساتویں نمبر میں گذر چکی ہے۔

جمالِ محمدؐ کا حسین منظر :

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱) دائم البشر یعنی چہرۂ انور پر بشاشت، خندہ روئی، نورانیت اور تبسم رہتا تھا۔ و هو طلاقة الوجه والبشاشة و حسن المخالق مع الخلق و فی التعبیر بکان و دوام البشر اشعار بان حسن خلقه کان عاما غیر خاص بجلسائه و فیه ایماء بانه کان رحمة للعالمین (جمع ج ۲ ص ۲۰۱) (علامہ ملا علی قاریؒ دائم البشر کی تشریح میں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہشاش بشاش اور خندہ رو ہوتا تھا اور مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے تھے اور لفظ کان اور دائم البشر سے تعبیر کرنے میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کا حسنِ اخلاق کا یہ برتاؤ صرف اپنے ہم نشینوں سے مخصوص نہ تھا بلکہ سب کے لئے عام تھا اور اس میں اشارہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس واقعی رحمت للعالمین تھی) ترش روئی اور انقباض نام کے چیز نہ ہوتی تھی۔ یہ متواصل الاحزان کے منافی نہیں ہے۔ لان حزنه بسبب احوال الآخرة اما بالنسبة لامور الدنیا فکان دائم البشر (مناوی ج ۲ ص ۲۰۱) (اس لئے کہ آپ ﷺ کی غمگینی اور متفکر ہونا تو قیامت کے دہشت ناک مناظر ہی کی وجہ سے ہوتا تھا اور دنیوی امور کی نسبت تو آپ ﷺ کے چہرہ انور پر ہمیشہ بشاشت خندہ روئی ہوا کرتی تھی)

(۲) سهل الخلق آپ نرم مزاج تھے اخلاق میں حد درجہ تواضع وانکسار اور ملائمت تھی۔ سختی ودرشتی، تند خوئی اور تلخ گوئی نہیں کرتے تھے۔ ای لیس بصعبه و لا خشنه۔

(اتحافات ص ۳۷۵)

(۳) لین الجانب یعنی انتہائی نرم خو، خوش لہجہ، نرم طبیعت، حلیم اور بردبار تھے۔ درشتی اور تلخی نام کی چیز سے ناآشنا تھے۔ علامہ بیجوریؒ بھی لین الجانب کی یہی تشریح کر رہے ہیں

ای سریع العطف کثیر اللطف جمیل الصفح مع السکون والوقار والخشوع والخضوع وعدم الخلاف۔(مواہب ص۲۵۸)

(۴) لیس بفظ ولا غلیظ 'فظٌ کا معنیٰ سخت کلام' بدخلق' غلیظ کا معنیٰ تندخو ای یحمل احدھما علی فظاظۃ اللسان والآخر علی فظاظۃ القلب۔(جمع ج۲ص۲۰۱)(ان میں سے ایک کو تو زبان کی بدگوئی پر اور دوسرے کو سخت دلی پر محمول کیا جائے گا)

آپ کی یہی صفت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔(آل عمران:۱۵۹)اگر آپ اکھڑ طبیعت اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ ای لیس فیہ جفاء ولا غلظۃ۔(اتحافات ص۳۷۶)(یعنی آپ ﷺ میں اکھڑ پن اور سخت دلی نہیں تھی)

(۵) ولا صخاب ولا فحاش 'نہ تو آپ چیخ کر' چلا کر بات کرنے اور شور وشر کرنے والے تھے اور نہ فحش سے آشنا تھے اور نہ فحش گوئی کرتے تھے۔ لیس کثیر الصخب ای الصیاح ولا یعرف الفحش ولا یقع منہ۔(اتحافات ص۳۷۶)

(۶) ولا عیاب ولا مشاح ای لا یعیب غیرہ ابدا۔(اتحافات ص۳۷۶) یعنی نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی دوسرے کے عیوب تلاش کئے جائیں، ولا عاب طعاماً قط۔(اتحافات ص۳۷۶) حتیٰ کہ کھانے میں بھی عیب گوئی اور اعتراض نہیں کرتے تھے کہ یہ بدمزہ ہے یا پھیکا ہے یا تلخ ہے یا بدبودار بلکہ اچھا معلوم ہوا تو نوش فرمالیا، ورنہ چھوڑ دیا نہ کھایا۔ مشاح کا معنیٰ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والا زیادہ مذاق کرنے والا اور بخل کرنے والا' حضور اقدس ﷺ ان تینوں عیوب اور نقائص سے مبرا تھے، نہ تو کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرتے تھے، صاف گو تھے اور حقدار کو اس کا حق دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

(۷) یتغافل عما لا یشتھی 'جس چیز کو آپ مستحسن نہ سمجھتے' پسند نہ فرماتے، گو وہ حرام اور ناجائز نہ ہوتی، مگر آپ کو مرغوب بھی نہ ہوتی۔ تو آپ ﷺ اس کے ذکر اور اس کے سننے سے تغافل برتتے تھے۔ گویا سنی ان سنی کر دیتے تھے۔ غیر ضروری چیز کے لئے

فکرمندی بے معنیٰ ہے۔ ای یظھر الغفلۃ والاعراض عما لا یستحسنہ من الاقوال والافعال تلطفاً باصحابہ و رفقاً بھم۔(مواہب ص۲۵۸) (یعنی جو اقوال وافعال ناپسندیدہ اور غیر ضروری ہوا کرتے اپنے اصحاب کے تلطف اور آسانی کے پیش نظر ان سے اعراض وروگردانی اختیار فرمادیتے)

(۸) و لا یؤلس منہ ' دوسرے کی خواہش اور مطلوب ومحبوب اگر آپ کو مرغوب نہ ہوتا، تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کو حصول واستعمال کی اجازت دیتے تھے۔

علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای لا یجعل غیرہ آئساً مما لا یشتھیہ ولا یقطع رجاءہ منہ (مواہب ص۲۵۸) ولا یجیب فیہ 'یہاں بھی فیہ کی ضمیر' ما لا یشتھی کو راجع ہے، یعنی آپ ﷺ اپنی ناپسندیدہ اور نامرغوب چیز اگرچہ دوسرے کے لئے منع نہ فرماتے تھے، مگر اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے ، بلکہ خاموش رہ جاتے، بل یسکت عنہ عفواً و تکرماً ، بلکہ از روئے عفو وکرم خاموشی بھی اختیار فرمالیتے تھے۔ یا نرم اور جچے اور مناسب انداز سے بات ٹال دیا کرتے تھے۔

(۹) و قد ترک نفسہ من ثلاث 'حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا۔ ای منعھا من خصال مذمومۃ۔(مواہب ص۲۵۸) یعنی آپ ﷺ نے خود کو تین مذموم خصلتوں سے مجتنب رکھا تھا۔(۱) ان میں پہلی خصلت المراء یعنی جھگڑنا اور الجھنا ای الجدال ولو بحق لحدیث من ترک المراء وھو محق بنی اللہ لہ بیتاً فی ربض الجنۃ۔(جمع ج۲ص۲۰۲)(اگرچہ الجھنا ٹھیک بھی ہوتا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے باوجود حق پر ہونے کے (اپنے مدمقابل سے) جھگڑنا لڑنا چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ وسط جنت میں اس کے لئے عالی شان محل بنادیں گے) بات بات پر الجھنا اور جھگڑنا منافقین کی خصلت ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مذمت ہے۔ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرۃ:۲۰۴) یعنی منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔(۲) والاکبار 'یعنی خود کو بڑائی' تکبر' رعونت کی صفت مذموم سے بچائے رکھتے تھے، ہمیشہ تواضع وانکساری اور فروتنی کا اظہار فرماتے تھے۔ ای من استعظام نفسہ فی الجلوس و المشی وامثال ذلک فی

معاشرته مع الناس ۔(جمع ج۲ص۲۰۴)(یعنی لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے وغیرہ کے برتاؤ میں اپنے آپ کو بڑائی، تکبر اور دیگر صفات مذمومہ سے بچائے رکھا کرتے) اور حدیث میں انا سید ولد آدم کا ارشاد اس کے منافی نہیں، کیونکہ یہ ارشاد مبارک تحدیثاً بنعمة المولیٰ (اپنے رب کی نعمت کے بیان واظہار) کے لئے کہا گیا ہے۔ لا افتخاراً ولا استعظاما بمقتضی الهویٰ۔(جمع ج۲ص۲۰۴) خواہش نفسی، عجب وخود پسندی بڑائی کے اظہار اور فخر وغرور کی بنا پر نہیں کہا گیا۔ بعض روایات میں اکبار کی جگہ اکثار کا لفظ منقول ہے۔ ای من الكلام والمال (اتحافات ص۳۷۶)(یعنی آپ ﷺ مال اور گفتگو میں خود کو بڑا نہ بتلاتے)

(۳) وما لایعنیه یعنی حضور اقدس ﷺ ہمیشہ با معنی، با مقصد اور بہ قدر ضرورت کام اور بات کرتے تھے۔ لغویات اور لایعنی اور بے مقصد امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ قرآن میں بھی مومنین کی صفت میں یہی نقل ہوا ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۔(المومنون:۳)(جو لغو بات سے منہ موڑ لیتے ہیں) آپ کا ارشاد مبارک ہے ..... من حسن اسلام المرء تركه ما لا یعنیه (مواہب ص۲۵۹)(انسان کے اسلام کی خوبی فضولیات اور لایعنی چیزوں کا چھوڑ دینا ہے)

(۱۰) وترک الناس من ثلث "تین امور ایسے تھے، جن میں اشتغال سے آپ نے عام لوگوں کو بھی روک رکھا تھا۔(۱) کان لایذم احداً "یعنی کسی کی نہ تو اس طرح منہ سامنے مذمت کرتے تھے اور نہ پیٹھ پیچھے ای مواجهة ولا غير مواجهة (۲) ولایعیبه ای فی الغيبة "یعنی نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیب تلاش کریں اور پھر اس کی تشہیر کریں۔ علامہ ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں" ای لایذم فی الامور الاختیارية المباحة ولایعیب فی الاطوار الخلقية الجبلية كالطول والقصر والسواد وامثالها ۔(جمع ج۲ص۲۰۴)(نہ تو آپ ﷺ مباح امور اختیاریہ میں کسی کی مذمت اور برائی کرتے اور نہ فطری اور خلقی حالات وہیأت جیسے کسی کا طویل یا کوتاہ ہونا یا کالا، گورا ہونا یا اس جیسے دوسرے امور کی عیب جوئی فرمایا کرتے) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ

ایک دوسری روایت میں" ولا یعیره" نقل ہوا ہے، من التعيير وهو التوبيخ (جمع ج۲ ص۲۰۴)(اور نہ کسی کو عار اور ڈانٹا کرتے) ولا يطلب عورته یعنی آپ ﷺ کسی کی پردہ دری نہیں کرتے تھے۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای عورة احد وهی مایستحی منه اذا ظهر فالمعنیٰ لا یظهر ما يريد الشخص ستره و یخفیه الناس عن الغير ۔(جمع ج۲ص۲۰۴)(کسی شخص کا پردہ وہ ہوتا ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو اسے حیا آئے یعنی آپ ﷺ نہ ظاہر فرماتے وہ عیوب جو کوئی شخص اسے دوسروں سے چھپانا چاہتا یا جسے لوگ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، وفيه تنبيه على ان من دأب اهل كمال ان لايفصحوا بمعايب ارباب النقصان ولا يتجسسوا على الوقوف على فجور ارباب الذنوب ۔(مناوی ج۲ص۲۰۴)(اور اس میں تنبیہ ہے کہ کامل لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ (ظاہر بااخلاقی لحاظ سے) ناقص اور کمزور لوگوں کے عیوب ظاہر نہیں کرتے اور نہ وہ اہل معصیت کے گناہ اور غلطیوں کے خبر گیری کے لئے جاسوسی کیا کرتے ہیں)

دو عبارتوں کا فرق :

علامہ مناویؒ حدیث شریف کے اس جملہ وترک الناس من ثلاث اور پہلے جملہ قد ترک نفسه من ثلاث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، خصهم لان القصد بهذه الثلاث رعايتهم كما ان القصد بالثلاثة الاول رعاية نفسه فلذلك لم يقل ترك نفسه من ستة ولم يعدها مما ترك نفسه منها فسقط قول البعض الاعيان لافرق بينهما بمقتضى تفاوت البيان (مناوی ج۲ص۲۰۴)(آپ ﷺ نے ترک الناس من ثلاث (تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا) میں لوگوں کو اس لئے مخصوص فرما دیا کہ دراصل ان تین امور میں ان لوگوں کے (حقوق) کی رعایت اور نگہداشت ہی مقصود اور مد نظر تھی جیسے کہ پہلے تین امور میں اپنے نفس کی نگہداشت وحفاظت کو ملحوظ رکھا گیا اور اسی نقطہ کے پیش نظر یہ نہ فرمایا کہ اپنے آپ کو چھ چیزوں سے محفوظ رکھا اور ان تین امور کو اپنے نفس کے متروکات میں سے نہیں شمار کیا گیا۔ تو اس بیان فرق سے بعض قابل قدر شخصیات کا یہ کہنا بجا

نہیں کہ ان کے درمیان کوئی قابل بیان فرق نہیں ہے)

(۱۱) **لا یتکلم الا فیما رجا ثوابه** آپ ﷺ صرف وہی گفتگو فرماتے تھے، جو باعث اجر و ثواب ہوتی تھی یعنی گفتگو مبارک با مقصد، نافع اور مطلوب چیز میں ہوا کرتی تھی **ای فی الشئ النافع المطلوب** (اتحافات ص ۳۷۶) گویا آپ ﷺ کی کوئی بات، کوئی فعل اور کوئی اقدام ایسا نہ ہوتا تھا جس پر اجر و ثواب متوقع نہ ہوتا۔

(۱۲) **واذا تکلم اطرق** ...... اور جس وقت آپ ﷺ گفتگو فرماتے، تو حاضرین مجلس نہایت ہی خاموش، آنکھیں نیچے کئے ہوئے بیٹھتے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جو ذرا سی حرکت، بے خیالی اور بے جا ہلنے سے اڑ جائیں گے۔ **ای ارخوا رؤسهم الی الارض و نظروا الیها و اصغوا الیه لاستماع کلامه و لسرورهم و ارتیاح ارواحهم بحدیثه** (مواہب ص ۱۵۹) (یعنی اپنے سروں کو جھکائے اور نظریں نیچے زمین کی طرف کئے ہوئے آپ ﷺ کے کلام کے سننے اور اس پر انتہائی خوش ہونے اور دل و جان کو تسکین و راحت پہنچانے کے لئے پوری توجہ اور کان لگا کر سنا کرتے تھے) **والطیر لا یقع الا علی ساکن ساکت قال** ......

> اذا حلت بنولیث عکاظا
>
> رأیت علی رؤسهم الغرابا

(مناوی ج ۲ ص ۲۰۵)

(علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ پرندے تو ساکن ساکت (خاموش غیر متحرک) پر ہی بیٹھا کرتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ جب بنولیث عکاظ (عرب کا مشہور بازار میلہ) وارد ہوتے ہیں تو ان کے سروں پر (بوجہ خاموشی و سنجیدگی) گویا کہ کوے بیٹھے ہیں)

اطرق ' اطراق سے ہے، خاموش ہونے، چپ رہنے، نگاہ جھکا کر زمین کی طرف دیکھنے کو کہتے ہیں، **الاطراق ان یقبل ببصره الی صدره و یسکت ساکتا** (نہایہ) (اطراق کا معنی کہ پوری خاموشی کے ساتھ نظریں جھکائے دل کی طرف متوجہ ہونا) و **کقولهم اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القری** (کانزیں ص ۳۶) (اطراق کا معنی سر کو

جھکانا۔ خاموش ہونا کلام عرب میں مستعمل ہے چنانچہ علامہ ابن حاجبؒ نے بحث منادیٰ میں اطرق کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ عرب لوگ کروان پرندے کو شکار کرنے کے لئے ایک منتر پڑھتے تھے۔ **اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القری** کہ اے کرا گردن خم کردے۔ اے کرا گردن خم (نیچے) کردے۔ بے شک شتر مرغ بستیوں میں (گرفتار کرکے پہنچایا جا چکا) ہے)

گویا صحابہ کرامؓ اور حاضرین مجلس آپ ﷺ کی صحبت مبارکہ میں ہمہ تن متوجہ رہ کر آپؐ کی نظر فیض آثار اور توجہات عظیمہ و عنایات رفیعہ سے مستفید ہوتے رہتے۔ حضور اقدسؐ کے علوم و معارف، افادات و نصائح، ارشادات و ہدایات اور انوار و تجلیات سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہتے۔

فاذا سکت تکلموا ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، تب صحابہ کرامؓ حسب ضرورت باہم گفتگو کرتے، **فیه ایماء الی انهم لم یکونوا یبتدؤن بالکلام و لا یتکلمون فی اثناء حدیثه کما هو مقتضی الادب** . (جمع ج ۲ ص ۲۰۵) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ صحابہؓ نہ تو ابتداءً بالکلام کیا کرتے اور نہ ہی آپ ﷺ کی باتوں کے درمیان گفتگو کیا کرتے جیسا کہ یہی مقتضی ادب و احترام ہے)

(۱۳) **لا یتنازعون عنده الحدیث** ...... جب حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جاتے، جب حضرات صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کرتے، مگر پھر بھی ذات اقدس ﷺ اور مجلس اقدس کا اسی قدر ادب و احترام ملحوظ رکھتے کہ اپنی گفتگو میں نہ تو کسی قسم کا نزاع کرتے اور نہ جھگڑے کی طرح لڑتے اور نہ باہم الجھتے تاکہ آپ ﷺ کی خاطر عالی کے لئے تشویش کا باعث نہ ہو، **لانه لا ینبغی التنازع ولا التخاصم فی حضرته** ۔ (اتحافات ص ۳۷۶)

ومن تکلم عنده ...... جو کوئی بھی بارگاہ قدس میں عرض معروض کرتا تو باقی خاموش رہتے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی برکت تھی کہ حاضرین و خدام آداب مجلس کو ملحوظ رکھتے، اور جب ایک اپنی بات مکمل کر لیتا، تب دوسرا بات شروع کرتا، نہ تو دو یا دو سے زائد افراد بیک وقت بات شروع کرتے اور نہ ایک دوسرے کی بات کو کاٹتے تھے۔ اس لئے

کر یہ آداب مجلس کے خلاف ہے فلایتکلم عنده اثنان معاً ولایقطع بعضهم علی بعض کلامه لانه خلاف الادب۔ (مواہب ص ۳۵۹)

(۱۴) حدیثهم عنده حدیث اولهم --- بارگاہ نبوت میں ہر بات کرنے والے کی بات کو گویا اولیت حاصل تھی۔ ہر ایک کی بات اسی طرح سنی جاتی، جس طرح پہلے شخص کی بات سنی جاتی ہے، جس میں رغبت اور شوق ہوتا ہے، یعنی بے قدری اور بے توجہی سے بات نہیں سنی جاتی تھی یا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کی بات ترتیب سے سنی جاتی تھی۔ ای یتحدث عنده ماجاء اولاًلم من بعده علی الترتیب (اتحافات ص ۳۲۶) یا اول بمعنی افضل کے ہے یعنی آپ ﷺ ہر ایک کی بات کو اس طرح سنتے تھے، گویا وہ قوم کے افضل ترین اور شخصیت اولین کی بات ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ اول کہنے والے نے جو کہدیا گویا وہی سب کی بات ہے، گویا سب صحابہ کرامؓ مباحات میں متحد الآراء ہوتے تھے، جو غایت محبت و انس کی علامت ہے۔

(۱۵) یضحک مما یضحکون منه --- حضور اقدس ﷺ امراء، حکمرانوں اور متکبرین کی طرح اپنے رفقاء کار، خدام اور حاضرین سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے اور نہ کسی لہجے یا کسی ادا سے اپنی برتری یا اپنے فضل و تفوق کا اظہار ہونے دیتے تھے، بلکہ اپنے صحابہ میں گھل مل جاتے، وہ جس موضوع اور گفتگو میں مشغول ہوتے، آپ بھی اسی میں ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتے، اگر وہ کسی بات پر ہنس رہے ہوتے، تو آپ ﷺ بھی ان کی موافقت میں اسی سلسلہ گفتگو میں ہنس دیا کرتے اور اگر وہ کسی چیز پر تعجب کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ اسی چیز پر تعجب کرنے لگتے' ای موافقة لهم و تطییباً لخاطرهم۔ (اتحافات ص ۳۲۶)

(۱۶) یصبر للغریب ... حضور اقدس ﷺ کسی مسافر یا اجنبی کی سخت گفتگو اور بے ادبی کے انداز سوال پر بھی صبر کرتے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرامؓ اجنبی اور مسافر لوگوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں لے آیا کرتے کہ وہ سوال کریں، انہیں بھی فائدہ ہو اور سب کو استفادہ ہو، یعنی جس وقت کوئی اجنبی یا مسافر آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا، چونکہ وہ

آداب مجلس اور آپ ﷺ کو مخاطب کرنے کے آداب سے ناواقف ہوتا تو جا و بے جا سوالات کرتا۔ اس کے لہجے میں درشتی، بے ادبی اور گنوار پن ہوتا' مگر حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ اپنے کریمانہ اور بزرگانہ اخلاق کی بدولت ان پر گرفت نہ کرتے۔ عفو و درگذر فرما کر انتہائی صبر تحمل بردباری اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، اور ان کی اس قسم کی روش پر توجہ نہ دیتے فقد ورد ان المومن الذی یخالط الناس و یصبر علی اذاهم افضل ممن یعتزلهم و قد کان صلی اللّٰه علیه و سلم اعلی الناس فی ذلک مقاما فقد اتاه ذو الخویصرة التمیمی فقال یا رسول الله اعدل فقال و یحک و من یعدل اذا لم اعدل فقد خبت و خسرت ان لم اعدل فقال عمر یا رسول الله ائذن لی اضرب عنقه فقال دعه رواه البیهقی عن ابی سعید۔ (مواہب ص ۳۶۰) (چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ وہ مسلمان جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے تکالیف پر صبر کرتا ہے یہ زیادہ افضل ہے اس شخص سے جو لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں رہتا ہے اور آپ ﷺ تو اس سلسلہ میں باقی لوگوں سے برتر اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے چنانچہ ذو الخویصرة تمیمی جب آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! انصاف فرمایئے آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا تیرے اوپر افسوس ہو کہ میں اگر عدل و انصاف نہیں کر سکا تو پھر کون ایسا ہے جو عدل و انصاف کر سکے اور پھر تو میں خسارہ و نقصان میں رہا اگر میں عدل و انصاف نہ کر سکوں۔ تو (اس وقت) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اجازت دیجئے یا رسول اللہ! کہ میں اس کی گردن اڑا دوں تو آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو)

(۱۷) و یقول اذا رأیتم ---- آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو، فارفدوه ای ساعدوه فی توصله الی حاجته (مناوی ج ۲ ص ۲۰۷) (تم اس کا ہاتھ بٹاؤ ضرورت اور حاجت تک رسائی میں)

(۱۸) و لایقبل الثناء --- عام طور پر منہ سامنے مدح و تعریف آپ کو گوارا نہ تھی۔ البتہ بطور شکریہ و اداء احسان کے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو سکوت اختیار فرماتے کہ

احسان کا شکر یہ اس پر ضروری تھا کہ وہ اپنا ذمہ اور فریضہ ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر تعریف حدود کے اندر ہوتی تو سکوت فرماتے اور اگر حدود سے تجاوز ہوتا تو روک دیتے تھے' ای لایقبل مدیحاً الا من انسان احسن الیه وماسوی ذلک اعرض عنه و اشاح بوجهه (اتحافات ص ۲۲۷) (آپ ﷺ اس انسان کی مدح وتوصیف کو قبول فرمایا کرتے جس کے ساتھ کوئی احسان و بھلائی کی ہو اور اسکے علاوہ منہ سامنے مدح کرنے والوں سے اعراض فرمایا کرتے)

(۱۹) ولا یقطع علی احد .... آپ ﷺ کسی بھی شخص کی گفتگو کو منقطع نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ حد سے نہ بڑھ جاتا۔ پس اسے منع فرما کر بات ختم فرما دیتے یا اُٹھ کر چلے جاتے۔ توجہ سے بات سننا اور بات پوری کئے بغیر درمیان میں نہ ٹوکنا، آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی حتی یجوز اور اگر بات کرنے والا کسی زیادتی کا مستحق ہوتا اور حد سے اور حق سے تجاوز کرتا، من المجازۃ ای حتی یتجاوز الحد او الحق و فی نسخۃ حتی یجور من الجور ای حتی یجور فی الحق بان یمیل عنه (مواہب ص ۲۶)

فیقطعه بنهی او قیام ' تو نرم لہجے' حکمت اور موزوں طریقے سے اسے روک دیتے یا پھر اٹھ کر چلے جاتے۔ اما ینهی له عن الحدیث ان افاد بان لم یکن معاندا او قیام من المجلس ان کان معاندا۔ (یا اس کو بات کرنے سے روک دیتے اگر وہ معاند نہیں ہوتا تھا۔ اور اگر وہ معاند ہوتا تو پھر آپ ﷺ مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جاتے) وفی هذا الحدیث مالا یخفی من نهایة کماله صلی الله علیه وسلم و رفقه و لطفه و حلمه و صبره و صفحه و رأفته و رحمته و عظیم اخلاقه۔ (مواہب ص ۲۶)

(اس حدیث میں حضور ﷺ کے کمالات، نرم دلی، لطف وکرم، حلم وصبر، عفو ودرگزر، شفقت ورحمت اور بلندی اخلاق کے حسین تذکرے واضح طور پر معلوم ہو رہے ہیں)

(۱۰/۳۳۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔

کمالِ سخاوت کی دلیل :

ماسئل رسول الله صلی الله علیه وسلم ...... حضور اقدس ﷺ سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی' جس کے دینے سے آپ ﷺ نے انکار کر دیا ہو۔ یہ حدیث آپ ﷺ کی کمال سخاوت کی دلیل ہے۔ یعنی جس وقت بھی آنحضور ﷺ سے کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا، اگر اس وقت موجود نہیں ہوتا تو کسی سے قرض لے کر اس کے سوال کو پورا فرما دیتے یا دوسرے وقت پر دینے کا وعدہ کر لیتے یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرما دیں۔ غرضیکہ 'نہ' نہ فرماتے۔ اکثر اس طرح بھی ہوتا کہ ایک چیز ہے، جس کی آپ ﷺ کو خود ضرورت ہے اور مانگنے والا وہی چیز مانگتا ہے تو حضور ﷺ اپنی ضرورت کی پرواہ نہ فرماتے ہوئے سائل کو وہ چیز عطا فرما دیتے۔ یہی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جس کام کے بارے کہا جاتا، آپ ﷺ اسے کر گذرتے اور اگر ارادہ نہ ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے' مگر نہیں کسی کے جواب میں نہیں فرماتے تھے، بلکہ اگر آپ ﷺ کے پاس اس وقت نہ ہوتا تو سائل سے فرماتے کہ کچھ انتظار کر، اگر میرے پاس کچھ آیا تو دے دوں گا۔ ایک بار اسی طرح کا واقعہ ہوا تو حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے طاقت سے بڑھ کر کسی کو کسی عمل کی تکلیف نہیں دی تو حضور ﷺ نے میری یہ بات ناپسند فرمائی عربی کا مشہور ومعروف شاعر فرزدق آنحضور ﷺ کے اس اخلاق حمیدہ وجلیلہ کو اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے .... ؎

ما قال لا قط الا فی تشهده
لو لا التشهد کانت لاؤه نعم

(جمع ج ۲ ص ۲۰۸)۔

(آپ ﷺ نے کبھی لفظ لا تشہد کے علاوہ نہیں کہا۔ اگر تشہد (پڑھنا) نہ ہوتا تو پھر آپ ﷺ کا کلمہ لا بھی نعم (ہاں) ہوتا)

اور اسی مفہوم کو فارسی کے شاعر نے بھی ذیل کے شعر میں ادا فرمایا۔

نرفت لا بزبان مبارکش ہرگز
بجز در اشهد ان لا اله الا الله

(کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر بجز کلمہ شہادت کے لفظ لا کبھی نہیں آیا)

سوال و جواب :

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور ﷺ نے تو بہت دفعہ کلمہ لا استعمال فرمایا ہے، جیسے کہ قرآن مجید میں بھی ہے، لا اجد ما احملکم علیه (کہ میرے پاس تمہارے سوار ہونے کے لئے سواری نہیں) اور قبیلہ اشعریون کے وفد کو فرمایا واللہ لا احملکم و غیرھما (قسم بخدا ! میں تمہیں (کسی چیز پر) سوار نہیں کر سکتا) شیخ ابراہیم بیجوریؒ نے اس سوال کے جواب کو ان الفاظ میں اشارہ کر دیا ۔ والمراد انه لم یقل لا منعاً للاعطاء فلاينا فی انه قاله اعتذاراً ان لاق الاعتذار کما فی قوله لا اجد ما احملکم علیه او تادیباً للسائل ان لم یلق به الاعتذار کما فی قوله للاشعر یین واللّٰه لا احملکم فهو تادیب لهم لسؤالهم مالیس عنده مع تحققهم ذلک ومن ثم حلف حسماً لطمعهم فی تکلیفه التحصیل مع عدم الاضطرار الی ذلک (مواہب ص ۲۶۱) (اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی نہ دینے کے لئے لفظ لا استعمال نہیں فرمایا تو اس توجیہ کی بناء پر یہ منافی نہ ہوا ان اقوال و روایات کے جن میں بطور معذرت کے کبھی لا کا لفظ استعمال کیا ہو جیسے کہ لا اجد ما احملکم میں۔ یا بطور تادیب سائل کے ہو۔ جیسے کہ اشعر یین کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ واللہ لا احملکم تو اس کہنے میں اشعریین کو تنبیہ و تادیب مقصود تھی کہ تمہیں

باوجود معلوم ہونے کے اس چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے جو آپ ﷺ کے پاس موجود نہیں ہے اس لئے تو ان کی طمع اور امید کو بالکل ختم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حلفاً یہ بات کہہ دی)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں؛ المعروف ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لایسال عن شئی الا کان یعطی سائله الحاجة المطلوبة' او یدعو اله' او یعده بها ثم یوفی له ماوعد به (اتحافات ص ۳۷۷) (آپ ﷺ کے متعلق یہی مشہور ہے کہ آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جاتا مگر اس کو یا تو مطلوبہ ضرورت پوری فرما دیتے یا پھر اس کے لئے دعا فرما دیتے یا اس کے لئے دوسرے وقت میں دینے کا وعدہ فرماتے اور پھر اس وعدے کی وفا بھی کر دیتے)

(۳۳۹/۱۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عِمْرَانَ اَبُو الْقَاسِمِ الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ فَيَاْتِيْهِ جِبْرِيْلُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمران ابوالقاسم قرشی مکی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ یہ روایت عبیداللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیاض رہتے (کہ خود حضور ﷺ کی گیارہ مہینے کی فیاضی بھی اس مہینے کی فیاضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینے میں بھی جس وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لا کر آپ ﷺ کو کلام اللہ شریف سناتے اُس وقت آپ ﷺ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے

بھی زیادہ سخاوت فرماتے ۔

راویان حدیث (۶۱۶) عبداللہ بن عمرانؒ (۶۱۷) ابراہیم بن سعدؒ اور (۶۱۸) عبیداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

مراتبِ جود وسخا :

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس ...... شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، کانت مراتب جودہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ (۱) الجود العادی وھو فوق جود البشر (۲) جود اعلیٰ منہ وھو فی رمضان (۳) جود اکثر و اکثر، و کان عند ما یلقی جبریل و یدارسہ القرآن، والجود فی المحسوسات و المعنویات، وقد استفاضت الأخبار فی أن الدنیا لم تسکن قلبہ ابدا لقد کان یعطی عطاء الملوک، بل عطاء من لایخشی الفقر ابدا ۔(اتحافات ص:۲۷۸)

حضور ﷺ کی سخاوت کے تین درجے تھے ۔(۱) جودِ عادی یعنی عام عادت کے مطابق جو سخاوت ہوتی ہے، وہ بھی دوسرے انسانوں سے زیادہ ہوتی تھی (۲) جو عام عادت کی سخاوت سے اعلیٰ ہو، وہ آپ ﷺ کی سخاوت ماہ مبارک رمضان شریف میں ہوتی (۳) ایک تیسری قسم کی سخاوت جو انتہائی زیادہ ہوتی، بلکہ مکرر ہوا کرتی، جبکہ آپ ﷺ سے جبریل امین کی ملاقات اور قرآن مجید کا دور ہوتا، اور یہ سخاوت ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔

باقی اس سلسلہ میں احادیث مشہورہ سے ثابت ہے کہ دنیا سے آپ ﷺ نے کبھی دل نہیں لگایا اور آپ ﷺ کی عطا (بخشش) شہنشاہوں جیسے ہوتی، بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اس شخص کی مانند جس کو فقر وفاقہ کا فکر وغم نہ ہو۔

ماہ مبارک میں سخاوت :

و کان اجود ما یکون فی شھر رمضان ...... اور آپ ﷺ رمضان شریف کا مکمل مہینہ بہت ہی سخاوت فرماتے ہوئے گزار دیتے تھے ۔یعنی ویسے تو آپ ﷺ ہر

حال میں اور ہر چیز کے مرحمت فرمانے میں انتہائی درجے کے سخی تھے ۔کوئی شخص بھی آپ ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا (کہ کوئی بھی حضور ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے ۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی ۔ جب ہی ایک شخص نے مانگ لی ۔ اس کو مرحمت فرما دی ۔قرض لے کر ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کہیں کچھ آ گیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے، گھر نہ جانا، ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) باوجود بخشش وعطا کے رمضان مبارک کا پورا کا پورا مہینہ سخاوت ہی فرماتے رہتے تھے ۔اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ . کَانَ کا اسم ہے اور فِی شَھْرِ رَمَضَانَ خبر ہے اور ما مصدریہ ہے ۔یعنی کَانَ کَوْنُہٗ اَجْوَدُ سَخَائِہٖ فِیْ رَمَضَانَ یعنی آنحضور ﷺ کے بہت سخی ہونے کا وقت رمضان میں ہوتا تھا ۔چونکہ رمضان المبارک کے مہینہ میں دوسرے گیارہ مہینوں کے مقابلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں اور بخششیں بہت زیادہ ہوتی ہیں ۔اس لئے حضور ﷺ بھی اس بابرکت مہینہ میں نیکیوں میں بہت ہی زیادہ انہماک فرماتے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایاتِ بے پایاں کو حاصل کرتے ۔ نیز اللہ اس عظیم برکات والے مہینہ میں آنجناب ﷺ پر ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے ۔لہٰذا حضور ﷺ ان کا شکر بجا لانے میں زیادہ سے زیادہ سخاوت فرماتے اور شارحین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات مُتَخَلِّقْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہ تھی ۔لہٰذا سنتِ الٰہی کی پیروی میں آپ ﷺ اس مہینہ میں مال ومتاع کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرماتے تھے ۔بعضوں نے اجود کو منصوب پڑھا ہے ۔اس صورت میں وہ کَانَ کی خبر ہوگی اور کَانَ کا اسم ایک ضمیر مستتر ہوگی، جو آنحضور ﷺ کی طرف راجع ہے ۔بعض نے ما کو موصولہ یا موصوفہ بھی کہا ہے ۔

حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور :

فیاتیہ جبریل ...... رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل حاضر ہو کر آپ ﷺ

کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے بان جبریل کان یعارضہ القرآن فی کل سنۃ مرۃ و انہ عارضہ العام الوصال مرتین ' جس برس وصال ہوا اس میں دو (۲) مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ دور کیا۔

بے انتہاء سخاوت :

فیما یہ میں فا تعلیل ما سبق کے لئے ہے یعنی رمضان شریف میں آپ ﷺ کی انتہائی سخاوت اس وجہ سے تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ماہ مبارک کی ہر رات میں حاضری جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہوتی تھی۔ ای بسبب اجودیتہ اتیان جبریل لہ کل لیلۃ من رمضان۔ (مناوی ج۲ص۲۰۹) اجود بالخیر من الریح المرسلۃ ' تو اس ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی حساب نہیں لگ سکتا تھا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ عبدالرؤف تحریر فرماتے ہیں و عبر بالمرسلۃ اشعارا بدوام ہبوبہا بالرحمۃ وعموم النفع بجود المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کما تعم المرسلۃ سائر ماتہب علیہ۔ (مناوی ج۲ص۲۱۱) (اور اس راوی نے ریح (ہوا) کی تعبیر مرسلہ سے اس لئے کی کہ اس میں یہ خبر دینا مقصود ہے کہ جیسے ریح مرسلہ کے فوائد ہر ان مواضع کو پہنچتے ہیں جہاں گزرتی اور برستی ہے بعینہ اسی طرح آپ ﷺ کا جود و کرم سخاوت و رحمت کے منافع مخلوق میں سے ہر ایک فرد تک پہنچ بھی جاتے اور وہ اس سے مستفید بھی ہو جاتے ہیں)۔ اس مبارک وقت کی کیفیت شیخ عبدالرؤف بیان کرتے ہیں' والحدیث مسوق لبیان اتیان الملائکۃ الی افضل الخلق بافضل کلام من افضل متکلم فی افضل وقت (مناوی ج۲ص۲۱۱) (دراصل حدیث کے اسلوب بیان کی غرض فرشتوں کا افضل ترین متکلم (خدا تعالیٰ) کی طرف سے مخلوق کی افضل ترین شخصیت (حضور ﷺ) کی طرف متبرک اوقات (ماہ رمضان) میں بہترین کلام (قرآن مجید) کو لے آنے کا تذکرہ ہے)

صحبتِ صالحین :

و فیہ ان صحبۃ الصالحین مؤثرۃ فی دین الرجل وعلمہ ولذالک قالوا

لقاء اھل الخیر عمارۃ القلوب (مناوی ج۲ص۲۱۱) اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کی مجلس آدمی کے دین اور علم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ نیک اور بزرگوں کی ملاقات دلوں کی آبادی کا ذریعہ ہے۔

اخذِ مسائل :

وفیہ ندب اکثار الجود فی رمضان و مزید الانفاق علی المحتاجین فیہ و التوسعۃ علی عیالہ و اقاربہ و محبیہ و عند ملاقاۃ الصالحین و عقب مفارقتہم شکراً لنعمۃ الاجتماع بہم و مدارسۃ القرآن و جواز المبالغۃ والاعیاء فی الکلام کما ذکرہ القرطبی۔ (مناوی ج۲ص۲۱۱)

اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ماہ مبارک میں سخاوت کی کثرت ہو، اور مسکین و نادار لوگوں پر زیادہ مال خرچ کیا جائے اور اپنے اہل عیال اور رشتہ داروں دوستوں اور نیک لوگوں کی ملاقات اور ان کے رخصتی اور واپسی کے وقت خرچ و خوراک میں وسعت اور فراخ دلی سے کام لیا جائے تا کہ صالحین نیکوکار لوگوں کے اجتماع اور قرآن مجید کے دور کی برکات کا پورا پورا حق اور شکریہ بجالایا جا سکے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے اوقات اور مجالس میں محنت و مشقت برداشت کر کے بہت سے مبارک کلام سے مستفید ہونا چاہئے

ورحم اللہ صاحب البردہ حیث عبر عن جودہ بالزبدۃ فی قولہ

فان من جودک الدنیا و ضرتہا
و من علومک علم اللوح و القلم

(جمع ج۲ص۲۱۲) (کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہیں اور لوح و قلم آپ کے علموں میں سے ہیں)

(۱۲/۳۰۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔

ذخیرہ اندوزی سے احتراز :

كان النبي صلى الله عليه وسلم لايدخر شيئاً لغد 'حضور اقدس ﷺ آنے والے دن کے لئے کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ یعنی جو کچھ بھی آنحضور ﷺ کے پاس ہوتا یا آنجناب کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا، سب کا سب تقسیم فرما دیتے۔ دوسرے دن کے لئے کچھ بھی نہ رکھتے۔ الشیخ یوسف النبھانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی غنیمت، زکوۃ یا خراج وغیرہ کا سامان یا روپیہ پیسہ آتا تو نہ اس پر رات گزرتی اور نہ دوپہر، یعنی اگر صبح سویرے آتا تو دوپہر سے پہلے آپ ﷺ اسے تقسیم فرما دیتے اور اگر دن ڈھلے آتا تو رات آنے سے پہلے مستحق لوگوں میں بانٹ دیتے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ درہم و دینار نے کبھی آپ ﷺ کے ہاں رات نہیں گذاری، اگر کبھی کوئی چیز بچ گئی۔ اس کا لینے والا کوئی موجود نہ ہوا، تو آپ ﷺ اس وقت تک مسجد سے اپنے حجرہ مبارک میں تشریف نہیں لے جاتے، جب تک وہ بھی کسی ضرورتمند کو نہیں دے دی۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

ان عدم الادخار آية عظيمة على اعظم التوكل والايثار وهما من محاسن الاخلاق (مناوی ج ۴ ص ۲۱۳) یعنی کہ آنجناب ﷺ کا کسی چیز کا ذخیرہ نہ کرنا آنجناب ﷺ کے عظیم توکل اور ایثار کی بہت ہی شاندار دلیل ہے اور یہ دونوں محاسن اخلاق سے ہیں

ایک شبہ اور اس کا جواب :

اگر یہ اشکال کیا جائے کہ احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اپنے اہل

بیت (گھرانے) کے لئے ذخیرہ کر لیتے تھے۔ ففي الصحيحين انه صلى الله عليه وسلم كان يدخر لاهله قوت سنتهم (جمع ج ۲ ص ۲۱۲) (بخاری اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے اہل وعیال کے لئے ایک سال کی غذا ذخیرہ کر لیا کرتے) شارحینؒ حدیث اس کی تطبیق اور جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک ہے اپنے لئے ذخیرہ کرنا اور ایک ہے اہل و عیال کے لئے، تو چونکہ حضور ﷺ کا توکل کامل تھا اس لئے آپ ﷺ ادخار لنفسه نہیں فرماتے تھے۔ اور اہل وعیال کے توکل میں چونکہ کچھ ضعف تھا، اس لئے ان کے سالانہ نفقہ کا انتظام فرما لیتے۔ اور یا اس لئے تاکہ آپ ﷺ کا یہ طرز (اپنے لئے ذخیرہ نہ کرنا اور اہل خانہ کے لئے کرنا) آپ ﷺ کی امت کے عیال داروں اور اور متجردین (کنبہ نہ رکھنے والوں) کے لئے سنت جاریہ ہو سکے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، لكمال توكله على ربه و قد يدخر لعياله قوت سنتهم لضعف توكلهم بالنسبة اليه صلى الله عليه وسلم و ليكون سنة للمعلين (عیالدار) من امته و للمتجردين من اهل ملته، بلکہ حضور ﷺ توکل تام کی وجہ سے اہل وعیال کا ذخیرہ بھی قبل از وقت حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیتے، تو گویا ایک حیثیت سے لا يدخر شيئا لغد على الاطلاق (یہ بھی کہ آپ ﷺ کل آئندہ کے لئے عام طور پر کوئی چیز ذخیرہ نہ کیا کرتے) بھی صحیح ہو جاتا ہے، جیسے اسی مقام میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، والاولى اى بجمع بانه كان يدخر لهم قوت سنتهم لم من جوده و كرمه على الوافدين والمحتاجين كان يفرغ زادهم قبل تمام السنة (جمع ج ۲ ص ۲۱۲)

علامہ مناویؒ نے اس جواب پر کچھ اضافہ فرماتے ہوئے لکھا، وبيانا لجواز الادخار ... فادخاره لم يكن لخشية العدم بل لاجل الكرم (مناوی ج ۴ ص ۲۱۲)
(ہو سکتا ہے آپ ﷺ کا ذخیرہ کر لینا صرف بیان جواز کے لئے ہو تو گویا حضور ﷺ کا ذخیرہ کرنا غذا کے معدوم ہونے کے خوف سے نہ تھا بلکہ اس لئے کہ (بوقت ضرورت) لوگوں سے جود وکرم کا برتاؤ کیا جا سکے)

حضرت علامہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں :

وجہ مناسبة الحديث بعنوان الباب ان الكرم والجود والتوكل والاعتماد على واجب الوجود دون الخلق من كمال الخلق (جمع ج ۲ ص ۲۴۳) اس حدیث شریف کی عنوان باب سے یہ وجہ مناسبت ہے کہ کرم، سخاوت، توکل اور واجب الوجود پر اعتماد سوائے مخلوق کے کمال خلق سے ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہو گی۔ اس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا غایت توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا کرے گا۔ یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ بیویوں کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور ﷺ ہی کی بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیاں درہموں کی نذرانے کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درم تھے۔ انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا کہ ایک درم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی (خصائل)

(۱۳/۳۴۱) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مُوْسَى بْنِ اَبِىْ عَلْقَمَةَ الْفَرْوِىُّ الْمَدَنِىُّ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ اَنْ يُعْطِيَهُ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِىْ شَىْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ عَلَىَّ فَاِذَا جَاءَنِىْ شَىْءٌ قَضَيْتُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَعْطَيْتَهُ فَمَا كَلَّفَكَ اللّٰهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَرِهَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِى الْعَرْشِ اِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِىْ وَجْهِهِ لِقَوْلِ

الْاَنْصَارِىِّ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ہشام بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انہوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورتمند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خرید لو، جب کچھ آ جائے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے، اُس کا حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ ناگوار گزرا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذات پاک عرش بریں کی مالک ہے اس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہو سکتی ہے) حضور اکرم ﷺ کو انصاری کا کہنا بہت پسند آیا اور حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، جس کا اثر چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

راویان حدیث (۶۱۹) ہارون بن موسیٰؒ (۶۲۰) ابیؒ اور (۶۲۱) ہشام بن سعدؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

قرض دلوا کر سائل کی حاجت پوری کر دیتے :

فقال النبي صلى الله عليه وسلم ما عندي شيء ...... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ای ليس في ملكي شيء موجود۔ (جمع ج ۲ ص ۲۴۴) (یعنی میرے ملکیت میں تو کوئی چیز بھی موجود نہیں) جو لینا ہے وہ خرید لے اور اس کی قیمت میرے ذمہ ہے۔ یعنی مطلوبہ چیز حسب ضرورت بازار سے خرید لے۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہو گی۔ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں جب کوئی شخص مسلمان ہو کر حاضر

خدمت ہوتا' اسے کپڑے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ مجھے اس کے لئے لباس کا بندوبست کرنے کا حکم دیتے ۔ میں کہیں سے قرض وغیرہ لے کر اس کو کپڑے بنوا دیتا، کھانا کھلا دیتا، پھر بعد میں حضور اقدس ﷺ اس قرضہ کی ادائگی فرما دیتے ۔

جود و سخا کے واقعات :

خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلالؓ سے بھی یہی ارشاد ہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی ۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے ۔ اس کو ارشاد فرمایا انفق بلالاً ولاتخش من ذی العرش اقلال ا۔ اے بلال ! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر ۔ حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں، ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے ۔ اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس موجود ہی ہو ۔ ضرورتمندوں کے لئے قرض لے کر ان پر خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کا عام معمول تھا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے ۔ ایک شخص نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت تھی ۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا ۔ میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا ۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ ﷺ اس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے ۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا ۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے، تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے ۔ میں اس سے قرض لینے لگا ۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لیے ہوئے آئے اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا او حبشی ! میں نے کہا حاضر ہوں ۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ

اس مہینے کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں ۔ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم ہونے کے قریب ہے ۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنا لوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی ۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں کہ اس کی یہ باتیں سن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے، وہ مجھ پر بھی گزری ۔ میں عشاء کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور ! اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے کہ ادائگی کے لئے نہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس ۔ میں روپوش ہو جاؤں گا ۔ جب آپ ادائگی فرما دیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا ۔ ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا ۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اکرم ﷺ بلا رہے ہیں ۔ میں حاضر ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے تیرے قرضہ کا انتظام کر دیا ۔ یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں، یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے ۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہٗ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس سامان میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں ۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا ۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے ۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا ۔ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آتے ہی نہیں ابھی کچھ باقی ہے تو حضور اکرم ﷺ نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لے گئے ۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر دریافت فرمایا ۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہٗ نے اس کے بارے آپ کو سبکدوش فرمایا کہ وہ سب تقسیم ہو گیا ۔ تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکان تشریف لے گئے ۔ (ابوداؤد)

حضرت عمرؓ کی رائے پر ناگواری :

فقال عمرؓ ...... تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ نے تو اسے عطا فرما دیا' فما کلف اللہ مالا تقدر علیہ ۔ پس اللہ نے آپ ﷺ کو اس چیز کی جس پر

آپ کو قدرت نہیں ہے، مکلف نہیں بنایا۔یعنی من امرہ بالشراء و وعدہ بالقضاء (جمع ج ۲ ص ۲۱۴) (اس شخص کو یہ کہہ دینا کہ جاؤ آپ خرید لیں اور اس کو قرضہ میں ادا کردوں گا)۔یعنی نرم جواب بھی تو بمنزلہ عطا و بخشش کے ہے۔سو وہ تو آپ ﷺ نے اسے دیدیا ہے با جو چیز آپ ﷺ کے پاس تھی مرحمت فرمادی اور اب جبکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہیں ہے تو خواہ مخواہ لوگوں کے قرضے اپنے ذمہ کیوں لیتے ہیں، جبکہ اللہ پاک نے بھی یہ کام آپ کے سپرد نہیں کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے قرضے ان کی جگہ ادا کریں۔

فکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... یعنی حضور اقدس ﷺ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات کہنی پسند نہ آئی، کیونکہ ایک سائل نامراد واپس لوٹتا تھا، جو آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے بعید تھا، مگر یاد رہے کہ ناگواری خاطر کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے خلاف شریعت تھی بلکہ اس لئے کہ اس سے سائل کی ناامیدی اور محرومی مستلزم ہوتی تھی۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں ای من حیث استلزامہ قنوط السائل و حرمانہ لالمخالفتہ للشرع۔(مناوی ج ۴ ص ۲۱۴)

ایک انصاری کی رائے کو پسند فرمایا :

فقال رجل من الانصار ...... انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ! خرچ کیجئے کسی قسم کا خوف صاحب عرش سے نہ کیجئے، اقلالا ای شیئا من الفقر و زاد فی العاج ان معناہ الافتقار و الاحتیاج (جمع ج ۲ ص ۲۱۴)۔یعنی کسی قسم کا فکر و اندیشہ یا غم نہ کیجئے و انفق ولو فوق طاقتک (اتحافات ص ۳۷۹) (اور خرچ کیجئے اگرچہ آپ ﷺ کی قدرت سے زیادہ بھی ہو) اللہ کریم اپنی بارگاہ عالیہ سے وہ کچھ عطا فرمادے گا جو اور کسی کو عطا نہیں فرماتا۔

فتبسم ...... اس پر حضور اقدس ﷺ نے تبسم فرمایا۔انصاری کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔طبیعت اور چہرۂ انور سے اس کا اظہار بھی ہونے لگا جیسا کہ راوی نے کہا ہے کہ رخ انور پر فرخندگی اور تازگی ظاہر ہو رہی تھی۔ وعرف فی وجھہ البشر ای الطلاقۃ والبشاشۃ (مواہب ص ۲۶۳) فانفرجت اساریر المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و عرف

البشر فی وجھہ۔(اتحافات ص ۳۷۹) بھذا امرت۔یعنی مجھے یہی حکم کیا گیا کہ میں اللہ کی راہ میں ہر وقت خرچ کرتا رہوں اور کسی کمی کا خوف نہ کروں ای لا بقول عمر کما افادہ تقدیم الجار والمجرور والمعنی بالاتفاق الذی قالہ الانصاری امرت لا بالمنع الذی قالہ عمر۔(مواہب ص ۲۶۳) (یعنی مجھے حضرت عمرؓ کی بات کا حکم نہیں کیا گیا جیسے کہ یہی معنی جار مجرور (یعنی بھذا) کی تقدیم سے معلوم ہو رہے ہیں اور مطلب یہ ہوا کہ مجھے ایسے خرچ کرنے کا حکم ہے جیسے کہ انصاریؓ کہہ رہے ہیں نہ اس خرچ کے روکنے کا جیسے کہ حضرت عمرؓ فرما رہے ہیں)

اخذ و استنباط :

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من ھذا الحدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایۃ الکرم و الجود و مما ینبغی التنبہ لہ ان کل خصلۃ من خصال الفضل قد احل اللہ نبیہ فی اعلاھا و خصہ بذروۃ سنامھا (مواہب ص ۲۶۳) (اور اس حدیث سے آپ ﷺ کا کرم اور سخاوت کے انتہائی اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور جس چیز پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اخلاق و عادات فاضلہ میں سب سے اعلیٰ و بلند ترین خصلت پر ہونے کا حکم وارشاد فرمایا ہے)

(۱۴/۳۳۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُّطَبٍ وَّ اَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِيْ مِلْأَ كَفِّهٖ حُلِيًّا وَّ ذَهَبًا۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے حوالہ سے بیان کیا۔انہوں نے ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء سے یہ روایت نقل کی۔ربیعؓ کہتی ہے کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی پتلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

قناع ' مراد طبق ہے جس کو ہم اردو میں طباق کہتے ہیں، جس پر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کو قنع بھی کہتے ہیں۔ کھجور کی لکڑی کی تھالی، جس میں کھانا رکھا جاتا ہے۔ رطب' تازہ کھجور اور پختہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اجر' جرو کی جمع ہے۔ چھوٹی چیز انار ہو یا خربوزہ یا ککڑی اس کی جمع جراء' اور اجر آتی ہے۔ جمع الجمع 'اجریة' آتی ہے۔ زغب' نرم روئیں، بال اور پر کا نکلنا' اصل میں زغب ان روئیں کو کہتے ہیں' جو شروع میں چوزے کے بدن پر نکلتے ہیں یہاں مراد ککڑی ہے' جس پر خفیف اور ہلکی سی روئیں ہوتی ہیں۔

قالت اتيت النبى صلى الله عليه وسلم..... اس سے قبل بھی یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے صفتِ فواکہ کے بیان میں گذر چکی ہے اور اس کی شرح وہیں لکھی جا چکی ہے۔ وہاں باب سے مناسبت تھی۔ پھلوں کا ذکر تھا، یہاں آپ ﷺ کے کریمانہ اخلاق کے مناسبت سے درج ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تحفہ لانے والی خاتون کو خالی واپس نہیں لوٹایا، بلکہ زر وزیورات سے سرفراز فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی تھی، ورنہ یہ چیز نہ واجب ہے اور نہ ضروری۔

(۳۴۴/۱۵) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عیسیٰ بن یونس نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے خبر دی اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

ھدیہ لینا اور بہترین بدلہ دینا :

كان يقبل الهدية ... حضور اقدس ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی عطا فرماتے تھے، جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث میں مثال گذر چکی ہے کہ کھجوروں اور ککڑیوں کے بدلے مٹھی بھر زر وزیورات عنایت فرمائے۔ یہی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ بدلہ کی صورت میں ہدیہ دینے والے کی دلداری بھی فرماتے تھے اور ہدیہ دینے میں بظاہر جو اسے نقصان ہوا، اس کو اس سے بچا لیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق بدلہ ہدیہ سے بڑھ کر دیا کرتے تھے، جس سے ہدیہ دینے والے کا نفع ہوتا تھا۔ اس لئے بعض روایات میں ويثيب خيرا منها کی تصریح آئی ہے۔

تنبیہ :

علامہ بیجوریؒ باب ھذا کے آخر میں بطور تنبیہ کے لکھتے ہیں :

واعلم ان اخلاقه صلى الله عليه وسلم وهديه وسيرته هي الميزان الاكبر فتعرض عليها الاشياء فما وافقها فهو المقبول وما خالفها فهو المردود (مواہب ص ۲۶۴)

(یہ بات بخوبی معلوم کر لیں کہ آپ ﷺ کے اخلاق، طریقے اور سیرتِ مبارکہ یہی وہ بڑی ترازو ہے جس پر (سب لوگوں) کے (اعمال وکارنامے) پیش کیے جاتے ہیں تو جو آپ ﷺ کی سیرت اور طریقے سے موافق ہوں گے تو وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہیں اور جو اس کے مخالف ہوں گے تو وہی مردود ہوں گے)۔

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَیَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

باب ! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں

لفظِ حیاء کا لغوی معنیٰ تحیّر وانکسار ہے ۔ (مجمع ج ۲ ص ۲۷۶) جب بالقصر پڑھا جائے تو معنیٰ بارش ہے اور جب بالمد پڑھا جائے تو کسی چیز سے منقبض ہونے اور اسے ملامت کے خوف سے چھوڑ دینے کے معنیٰ میں آتا ہے ۔ شرعاً حیاء کے معنیٰ ہیں ، ھو خلق یبعث علی تجنب القبیح و یحض علی ارتکاب الحسن و مجانبۃ التقصیر فی حق ذی الحق (مواہب ص ۳۶۳) یعنی وہ خلق ہے جو افعالِ قبیحہ سے اجتناب کا باعث ہو ۔ حسنات کے ارتکاب کا محرک ہو اور صاحب حق کے حق کی تقصیر کرنے سے مانع ہو ۔ حیاء بالقصر ہو یا بالمد دونوں حیاۃ سے ماخوذ ہیں ' وکلاھما ماخوذ من الحیاۃ فان احدھما حیاۃ الارض والآخر حیاۃ القلب (مجمع ج ۱ ص ۲۷۶) (ان میں سے ایک (حیاء بالقصر) تو زمین کی زندگی (آبادی) ہے اور دوسرا (حیاء بالمد) وہ دل کی حیات و زندگی ہے)

حیاء کی فضیلت واہمیت :

احادیث میں حیاء کی تاکید آئی ہے ۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے ' الحیاء شعبۃ من الایمان حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے ۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ، ان لکل دین خلقا ، وان خلق الاسلام الحیاء ۔ (ابن ماجہ) یقیناً ہر دین کے لئے ایک خلق ہے ، اور اسلام کا خلق حیاء ہے ۔ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے ، الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ (ابن ماجہ) حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا ہونا جنتی ہونا ہے ۔ عمران بن حصین حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں ، الحیاء لایاتی الا بخیر ۔ (بخاری)

حیاء سے بھلائی ہی پیدا ہوگی اور ایک حدیث میں آیا ہے ' الحیاء کلہ خیر (مسلم) یعنی حیاء میں بہتری ہی بہتری ہے ۔ ایک اور ارشاد ہے ' لادین لمن لاحیاء لہ (جس میں حیاء نہیں ہے ، اس میں کوئی دین نہیں ہے)

اس باب کو مستقلاً نقل کیا گیا ہے کہ حیاء ایک مستقل خلق ہے ۔ غایتِ اہتمام غرض تھی کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ معاملات میں حیاء پر ایک مستقل مدار ہے ۔ و لعل الافراد فی الترجمۃ اشارۃ الی عظم شانہ (اتحافات ص ۳۲۸) (اور اس کو مستقل عنوان سے ذکر کرنے میں اس کے عظیم الشان ہونے کا اشارہ ہے) ولان بہ حسن العشرۃ للخلق والمعاملۃ للحق (مواہب ص ۳۶۳) (اور حیاء ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اچھا معاملہ اور مخلوق کے ساتھ حسن برتاؤ قائم رہتا ہے) حضورِ اقدس ﷺ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ کسی چہرہ پر نظریں گاڑ کر گفتگو نہیں فرماتے تھے ، اگر اپنی منشأ کے خلاف کوئی بات کہنا چاہتے تو اشاروں کنایوں میں کہتے ۔ قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آتی ، تو لوگوں سے دور کسی میدان میں چلے جاتے اور اس وقت تک کپڑا اوپر نہ اٹھاتے ، جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے ۔ شیخ عبدالرؤفؒ نے حیاء کی چار قسمیں نقل کی ہیں ۔

حیاء کے اقسام :

علماء نے لکھا ہے کہ حیاء کئی قسموں کی ہوتی ہے ۔ ایک کرم کی حیاء کہلاتی ہے ، جیسا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے ۔ نبی اکرم ﷺ پر اُن کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے ، کبھی اندر تشریف لاتے تھے ، مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا ۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ احزاب کے اخیر کے قریب اس قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے ------------

شوق افزوں مانع عرضِ تمنا داَبِ حُسن
بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔

چوتھی قسم خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے' جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے، وہ دوسرے سے بطریق احسن واولیٰ شرمایا کرتا ہے (مناوی ج ۲ ص ۲۱۶)

امام ترمذیؒ نے اس باب میں دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

(۳۴۴/۱) حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أَبِي عُتْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی عتبہ کو ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سنا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم وحیاء میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرے سے پہچان لیتے۔ حضور اکرم ﷺ (غایت شرم کی وجہ سے اظہار ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)

راوی حدیث (۶۴۳) عبداللہ بن ابی عتبہؒ کے حالات "تذکرہ راویان شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اکرم ﷺ کا مقامِ حیاء :

کان اشد حیاء ...... العذراء دوشیزہ' باکرہ' کنواری اور ورناسفتہ کو کہتے ہیں

اس کی جمع العذاری آتی ہے۔ سمیت بذلک لعذر وطیھا (مواہب ص ۲۶۲) (عذراء کے ساتھ اس لئے مسمیٰ کی جاتی ہے کہ اس کی وطی مشکل اور متعذر ہوتی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء رکھتے تھے' جو مکان کے اندر ایک مخصوص حصہ میں رہتی ہے۔ خدر پردہ کو کہتے ہیں، وہ پردہ جو لڑکی کے لئے مکان کے ایک گوشہ میں لگا دیا جائے۔ لڑکی کے لئے مکان کا مخصوص حصہ' رات کی تاریکی اور شیر کی جھاڑی کو بھی خدر کہتے ہیں۔ وھو ستر یجعل للبکر فی جانب البیت لتستر بہ حتی عن بعض النساء (جمع ج ۲ ص ۲۱۶) (ملا علی قاریؒ خدر کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ یہ ایک خاص پردہ جو کمرے کے گوشے میں باکرہ کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ یہ اس میں چھپی رہے تا آنکہ بعض عورتوں سے بھی وہ وہاں چھپی رہتی ہے)

(۱) شارحین حدیث نے اس کا ایک معنیٰ یہ لیا ہے۔ اس سے مراد وہ کنواری لڑکی مراد ہے جو پردہ نشین ہو، اگرچہ کنواری لڑکی میں شرم وحیا طبعاً موجود ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت میں اس سے نکاح کی اجازت کے وقت صرف سکوت کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

مگر وہ لڑکی جو کنواری بھی ہو اور پردہ نشین بھی' تو ظاہر ہے کہ اس میں حیاء بدرجۂ اتم موجود ہوگا علماء فرماتے ہیں کہ پردہ نشین سے بھی وہ عورت مراد ہے' جس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پردہ ہی میں کیا گیا ہو، جسے باہر گلی محلوں اور بازاروں میں پھرنے والی خواتین سے دور رکھا گیا ہو۔ ایسی لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی۔ ظاہر ہے اس میں حیاء بھی بدرجۂ اتم ہوگا۔

(۲) دوسرا معنیٰ شارحین حدیث نے یہ لکھا ہے کہ پردہ نشین ہونا شب عروسی یعنی شادی کی پہلی رات سے کنایہ ہے کہ اس رات لڑکی میں شرم وحیاء کی انتہاء ہوتی ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ کا ارشاد :

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں۔ وفیہ ان الحیاء من الاوصاف المحمودۃ ای مالم ینتہ الی ضعف او جبن او خروج عن الحق او ترک اقامۃ حد والا کان ملموماً و حیاءہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مبرأ من ذلک کلہ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷) اور اس

سے ثابت ہوتا ہے کہ حیاء اوصافِ محمودہ میں سے ہے، جب تک اس میں کمزوری، نامردی، حق سے نکلنا اور اقامتِ حد کا چھوڑنا نہ پایا جائے، اگر یہ چیزیں پیدا ہوں تو پھر مذموم ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حیا تو ان تمام چیزوں سے کلی طور پر پاک اور منزہ تھا۔

جب حضور ﷺ کو کوئی بات ناگوار ہوتی :

وکان اذا کرہ شیأ اور جب حضور اقدس ﷺ کو کوئی چیز ناگوارِ خاطر ہوتی تو اس کا اثر رخِ انور سے معلوم ہو جاتا۔ وکذا العلماء فی خدرھا لاتصرح بکراھۃ الشئی بل یعرف ذلک فی وجھھا غالباً وبھذا ظھر وجہ ارتباط ھذہ الجملۃ بالتی قبلھا۔ (مواہب ص ۲۶۴) (اسی طرح وہ کنواری جو پردہ میں ہو وہ بھی اپنی ناپسندی کا اظہار صراحۃً نہیں کرتی بلکہ عموی طور پر اس کے چہرہ سے معلوم کیا جاتا ہے اور اسی سے اس جملے کے ماقبل سے مربوط ہونے کی وجہ ظاہر ہو گئی)

(۳۳۵/۲) حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَانَظَرْتُ اِلٰى فَرْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَتْ مَارَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے منصور کے حوالہ سے خبر دی، انہوں نے اسے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی سے انہوں نے ام المومنین عائشہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور اکرم ﷺ کی حیا اور تستر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ ﷺ کے محلِ شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

راوی حدیث (۲۲۳) موسیٰ بن عبداللہؒ کے حالات "تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیاءِ کامل کا اکمل نمونہ :

قالت عائشۃ مانظرت ..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کے محلِ شرم پر نظر نہیں کی۔ جب حضور ﷺ کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور ﷺ تو کیا دیکھتے اور اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو بھی مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے اور دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور ﷺ کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہؓ باوجودیکہ تمام بیویوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں۔ سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ ان کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور ﷺ بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے۔ حضور ﷺ کے محلِ ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور ﷺ بھی پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کو چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا۔ اسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ شرعی احکام اس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔ (ملخصاً من المناوی وغیرہ ج ۲ ص ۱۱۲)

================================

بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حِجَامَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضورِ اقدس ﷺ کے پچھنے (سنگیاں) لگوانے کے بیان میں

الحجامة (پچھنے لگوانا) :

الحجامة ' پچھنے لگانے کے پیشے کو کہتے ہیں۔ حَجْمٌ سے ہے، جس کا معنی اونچائی 'بڑھ جانے چوسنے اور روکنے کے ہوتے ہیں۔ حجام پچھنے لگانے والے کو کہتے ہیں۔
الحجامة هی شرط الجلد و اخراج الدم بالمحجمة و هی مایحجم به۔
(اتحافات ص۳۹۳) (حجامت کا معنی جلد میں نشتر لگانا اور آلہ حجامت کے ساتھ بدن سے خون نکالنا) ہمارے ہاں بال مونڈنے اور تراشنے والے کو حجام کہتے ہیں۔ ہاں پچھنے لگانے کے لئے لامحالہ حلق کرنا پڑتا ہے، بلکہ حلق لازم ہے اور حالق ہی حجام (پچھنے لگانے والا) ہوتا تھا۔ اس لئے اب عربوں میں بھی حجام' حلاق کے معنی میں استعمال ہونے لگا، جبکہ برصغیر کے اردو محاورہ میں تو حجام کہتے ہی حالق کو ہیں۔ پچھنے لگوانا آپ ﷺ سے قولاً اور فعلاً ثابت ہے۔ اطباء نے اس کے بہت سے فوائد ذکر کیئے ہیں۔

معالجہ توکل کے منافی نہیں :

باب ھذا میں مصنفؒ نے چھ احادیث ذکر کی ہیں، جن میں پچھنے لگواتے کے مختلف واقعات ذکر کیئے گئے ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے معمولات میں معالجۂ بدن کا علاج اور دوا کا استعمال کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معالجہ اور دوائی کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ آخر حضورِ اقدس ؐ سے بڑھ کر متوکل اور کون ہوسکتا ہے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور بدن کا علاج کرایا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وفی حجامته صلی الله علیه وسلم اقرار لمبدأ التداوی والعلاج

ولامنافاة بین الأخذ بالأسباب والتوکل علی الله۔ (اتحافات ص۳۸۳) (اور نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے میں دوا اور علاج ومعالجہ کرنے اور کروانے کی اصل اور بنیاد کو تسلیم کرنا ہے۔ اور اسباب وذرائع کے استعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر توکل کرنے میں کوئی منافات نہیں)

البتہ علامہ مناویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعم ترکه توکلا فضیلة و لایجا فیه فعل المصطفی وهو سید المتوکلین لانه انما فعله للتشریع کما تقرر (مناوی ج۲ص ۲۲۴) (ہاں اسباب کو چھوڑ کر صرف ذات خداوندی پر توکل اور بھروسہ کر لینے میں فضیلت ضرور ہے۔ اور آپ ﷺ کا اسباب کو استعمال کرنا حالانکہ آپ ﷺ تو متوکلین کے سردار اور رہنما ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا عمل امت کو ایک حکم شرعی بتلانے کی ہدایت ہے)

توکل کی حقیقت :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں :

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مبشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضورِ اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کیے ہیں، ذکر کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کون سی چیز افضل ہے۔ تو مجھ پر حضورِ اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا، جس کی وجہ سے اسباب واولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی۔ اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا، جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم وتفویض کی طرف مائل ہے۔ فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں۔ اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی کی طرف سے ہے۔ اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے ———

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود   روغن بادام خشکی مے نمود

مقدراتِ الٰہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا

بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسئلہ من جملہ اُن تین وصیتوں کے ہے، جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحبؒ کو طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفضیل شیخین کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر اور تیسرا مسئلہ تقلید کے نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحبؒ کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا، مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے رسائل فضل مبین اور فیوض الحرمین میں ہر دو تفصیلات ہیں۔ (خصائل)

(۳۳۶/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ أَنَسٌ احْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ أَوْ إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے اسمٰعیل بن جعفر نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگی لگانے کی اجرت کا مسئلہ پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ابوطیبہ نے حضور اکرم ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ آپؐ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور ان کے آقاؤں سے سفارش فرما کر ان کے ذمہ جو محصول تھا، اس میں کمی کرادی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگی لگانا بہترین دوا ہے۔

حضور ﷺ کے حجام ابوطیبہ کا تذکرہ :

ابوطيبة ! اسمه نافع و كان مملوكا لبني حارثة او لابي مسعود الانصاري۔ (اتحافات ص۳۹۳) و خطأ الحافظ ابن حجر من قال كالنووي لبني بياضة اسمه نافع على الصحيح و قول البغوي ميسرة رده بانه اشتبه عليه باسم ابي جميلة الراوي حديث الحجامة و قول ابن عبد البر اسمه دينار وهم وفيه لان دينارا الحجام تابعي روى عن

ابي طيبة لا ابو طيبة نفسه انتهى۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۱۷)

منشاً سوال :

سئل انس بن مالکؓ ..... حضرت انس بن مالکؓ سے پچھنے لگوانے کی مزدوری سے متعلق دریافت کیا گیا کہ پچھنے لگوانے کا کسب اور اس پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض شارحینؒ نے فرمایا ہے کہ شاید یہ سوال اس لئے کیا گیا ہو کہ اس پیشہ کی خباثت میں کسب الحجام خبیث وارد ہوا ہے۔ لہٰذا پوچھنے والے نے یہ وہم کیا کہ شاید حجام کو اجرت دینی جائز نہیں۔ و لعل الباعث على هذا السوال ورود الخبر بخبث كسب الحجام (اتحافات ص۳۹۳) (اور شاید کہ اس پوچھنے اور سوال کی غرض حدیث میں حجام کے کسب واجرت کی خباثت کا تذکرہ ہوا ہے)

طبعی کراہت سے حرمت لازم نہیں آتی :

حضرت انسؓ نے جواب میں گویا کسب الحجام جائز (کہ حجام کی اجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔ دونوں کی تطبیق میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ راجح یہ ہے کہ خبیث کے معنی "حرمت" سے عام ہیں، جو طیب کی ضد ہے۔ ناپسندیدہ چیز کو بھی خبیث کہتے ہیں۔ گویا احیاناً کوئی حجامت کرے تو جائز ہے لیکن چونکہ اس میں میل کچیل سے تلبس ہوتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ اس قسم کے پیشوں کو ناگوار سمجھتے تھے۔ اس طبعی کراہت سے نہ حرمت لازم آتی ہے نہ کراہت، بلکہ عملاً آپ ﷺ نے خود پچھنے لگوائے ہیں۔

حجام کو اجرت دینا مباح ہے :

فقال انس ..... حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے پچھنے لگوائے اور یہ پچھنے آپ ﷺ کو ابوطیبہ نے لگائے تھے، جنہیں آپ ﷺ نے دو صاع طعام دینے کا حکم فرمایا تھا۔ ابوطیبہ کا نام نافع ہے، جو محیصہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ پچھنے لگانے کا کسب اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ جب پچھنے لگا چکے تو بارگاہ نبوت سے انہیں دو صاع طعام عنایت فرمانے کا امر صادر ہوا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔ فقہاء حنفیہؒ کے نزدیک

تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے انہیں گویا آٹھ سیر طعام دیا گیا۔ فدل ذلک علی حله لأنه لو کان حرامًا لم یعطه وماورد من النهي عنه فهو للتنزیه و هو المراد بکونه خبیثًا ۔(مواہب ص۲۶۵) (تو حضور ﷺ کی طرف سے دو صاع کے دینے میں حجام کو اجرت دینے کا جواز اور حلت معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر اس کو اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو دینے کا حکم نہ فرماتے اور حدیث میں اس سے جو منع کا ذکر ہے تو وہ نہی تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث میں لفظ خبیث سے یہی مراد ہے) ایک روایت میں دو صاع کھجور دینا بھی آیا ہے۔ و زاد في روایة من تمر (مواہب ص۲۶۵) معلوم ہوا کہ حجام کو اجرت دینا مباح ہے، ورنہ آپ ﷺ اسے کسی چیز کے دینے کا حکم صادر نہ فرماتے۔

غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک :

و کلم اهله ...... حضور اقدس ﷺ نے اس کے مالک سے گفتگو کر کے اس پر محصول میں کمی کروادی۔ ای کلم سیده منه في التخفیف عنه (مواہب ص۲۶۵) ابو طیبہ کے آقا کا نام محیصہ بن مسعود تھا، وہ اپنے مالک کو روزانہ تین صاع کھجور ادا کیا کرتا تھا اور اسی شرط پر مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا یعنی عبدِ ماذون بنا دیا تھا، وہ کما تا محنت مزدوری کرتا تین صاع تمر مالک کو ادا کرتا۔ مزید جو بچ کے رہتا وہ غلام کا ہوتا۔ حضور اقدس ﷺ کی سفارش سے اس کے مالک نے ایک صاع معاف کر دیا اور دو صاع کھجور لینا منظور کر لیا اس سے بے بس لاچار اور غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت و محبت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اپنے جذبہ صادقہ کا اظہار مظلوم غلام کی حمایت وامداد اور بھر پور عنایت کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں وهذا بفید عنایة رسول الله صلی الله علیه وسلم بالحجام۔ (مواہب ص۵۱۲)

پچھنے لگوانا گرم علاقوں کے ساتھ خاص ہے :

وقال ان افضل ...... یقیناً بہتر علاج جو تم کرتے ہو، وہ پچھنے لگوانا ہے۔ بعض

شارحین اور علماء محدثین رحمهم الله کہتے ہیں کہ یہ حکم حرمین شریفین کے لوگوں کے ساتھ خاص ہے، وہ اکثر کھجوریں کھاتے ہیں، اس سے خون بنتا ہے، جو پچھنے لگوانے سے خارج ہو سکتا ہے۔ اس لئے ان کے لئے یہ حکم فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے پچھنے لگوانا مستحب ہے شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ولعل هذه الأفضلیة تتبع الزمان والمکان فالأجواء الحارة یناسبها الحجامة و غیر الأجواء الحارة تتداوی بما یناسبها۔ (اتحافات ص۳۹۴) (اور شاید کہ (پچھنے لگوانے) کی افضلیت کا مدار زمان و مکان اور آب و ہوا کی حیثیت سے ہو۔ پس جن علاقوں کی فضا گرم ہو ان میں حجامت کرنا زیادہ مناسب ہو اور جو علاقے گرم نہ ہوں ان میں ان کے مناسب علاج و معالجہ سے کام لیا جائے) اطباء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو سرد مزاج ہیں اور سرد ممالک میں رہتے ہیں ضرورت پڑنے پر فصد ان کے لئے مفید ہے واهل البلاد الباردة فالفصد لهم اولی (مواہب ص۲۶۵) (اور ٹھنڈے و سرد علاقوں کے لئے فصد (رگ سے نشتر کے ذریعے خون نکالنا) بہتر ہے)

اخذِ مسائل :

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، ویؤخذ من الحدیث التداوي بل منه واخذ الأجرة للطب والشفاعة عند رب الدین (مواہب ص۲۶۶) (حدیث شریف سے علاج و معالجہ اور اس کے طریقہ اور طبیب و ڈاکٹر کی اجرت اور ان کے قرض خواہ سے اس کی سفارش کا جواز معلوم ہوتا ہے)

(۲/۳۴۷) حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ اَبِىْ جَمِيْلَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَاَمَرَنِيْ فَاَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو داؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ورقاء بن عمر نے عبد الاعلیٰ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابو جمیلہ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگی لگوائی اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اس کو ادا کیا۔

راویان حدیث (۶۲۴) ورقاء بن عمرؒ اور (۶۲۵) ابی حملہؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے لگوانے میں حضرت علیؓ کی تصدیق :

عن علی ان النبی صلی اللہ علیه وسلم...... پچھنے لگوانا حضور اقدس ﷺ سے قولاً بھی اور فعلاً بھی ثابت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے بھی پچھنے لگوانے اور حجام کو مزدوری دینے کی تصدیق کردی اس حدیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہوگئیں، پچھنے لگوانا اور حجام کو مزدوری دینا۔ فاعطیت الحجام اجرہ ای وھو الصاعان السابقان (مواہب ص۲٦٦) (میں نے حجام کو اس کی مزدوری دے دی یعنی دو صاع سابقہ)

(۳/۳۳۸) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلَى الْأَخْدَعَيْنِ وَ بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ وَ أَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہ نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شعبی اور انہوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے گردن کی دونوں جانب پچھنے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اگر ناجائز ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کیسے مرحمت فرماتے۔

پچھنوں پر اُجرت کی روایات میں تطبیق :

عن ابن عباسؓ ---- چونکہ سینگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے۔ اس

وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی برائی آئی ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا گیا ہے، جس کی بناء پر بعض علماء اس کی اُجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایات کو غلاموں کے حق میں اور چونکہ ابوطیبہ بھی غلام تھے۔ اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے، جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے۔ اس لئے بلا اُجرت سینگی لگانا چاہئے تھا۔

علامہ ابن عربیؒ توجیہ کی یہ صورت بیان کرتے ہیں محل جواز یہ ہے کہ اجرت معلوم ہو اور محل حرمت کہ اجرت معلوم نہ ہو، غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور اقدس ﷺ کیوں مرحمت فرماتے۔

الاخدعین ! تثنیہ ہے اس کا واحد اخدع آتا ہے، گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ گردن کی دونوں پہلوؤں پر پوشیدہ رگوں کا نام ہے۔ ھما عرقان فی جانبی العنق۔ (مواہب ص۲٦٦) اس لئے عرب کہتے ہیں، فلان شدید الاخدع یعنی فلاں بڑا گردن کش ہے۔

(۴/۳۳۹) حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلٰى عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ وَ سَأَلَهُ كَمْ خَرَاجُكَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ آصُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَ أَعْطَاهُ أَجْرَهُ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحٰق نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدہ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے نقل کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک سینگی لگانے والے کو بلایا جس نے آپ ﷺ کے سینگی لگائی۔

حضور اکرمؐ نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا، تو انہوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صاع کم کرادیا اور سینگی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔
راوی حدیث (۶۲۶) ابن ابی لیلیؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس روایت میں بھی اسی ابوطیبہ کا ذکر ہے۔ جن کا تذکرہ باب کی پہلی روایت میں ہو چکا ہے اور حدیث کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

(۵/۳۵۰) حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ۔
ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے یہ روایت بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمام اور جریر بن حازم نے یہ حدیث بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی ۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سینگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۷ ریا ۱۹ ریا ۲۱ رتاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔
راوی حدیث (۶۲۷) عبدالقدوس بن محمدؒ کے حالات ''تذکرہ راویان شمائل ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

پچھنے کہاں لگواتے تھے :

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یحتجم فی الاخدعین ..... یعنی حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں رگوں کی جانب اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے

تھے ۔کاہل گردن کے قریب پیٹھ کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں ۔ اس کی جمع کواہل آتی ہے یعنی دونوں کندھوں کے درمیان ، و هو مقدم اعلى الظهر مما يلى العنق وهو الثلث الاعلى و فيه ست فقرات و قيل ما بين الكتفين و قيل الكتد و قيل موصل العنق قال ابوزيد هو للانسان خاصة ويستعار لغيره (مناوی ج ۲ ص ۲۲۲) (علامہ مناویؒ کاہل کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ پیٹھ کے بالائی حصہ کا مقدم (اگلا) حصہ جو کہ گردن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ تہائی بالا ہے اور اس میں چھ گرہ ہے (نشانات) ہیں اور بعض نے کہا کہ دو کندھوں کی درمیانی جگہ بعض اس کی تعبیر کتد سے کرتے ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ گردن کی ملاپ کی جگہ ہے ابوزیدؒ کہتے ہیں کہ یہ دراصل تو انسان کے ساتھ خاص ہے البتہ اس کے علاوہ میں بھی بطور استعارہ کے استعمال ہوتا ہے)

پچھنے لگوانے کے خاص ایام :

وکان یحتجم لسبع عشرۃ .... اور حضور اقدس ﷺ ۱۷/۱۸/۱۹اور ۱۹ر تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے ۔شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ تواریخ کے باب میں بہت احادیث واقع ہیں ۔ یہاں تک کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان تواریخ میں پچھنے لگوانا بیماری سے صحت وشفا کا باعث ہے ۔
علماء نے فرمایا کہ حجامت کرنا ہفتہ کے دن اور بدھ کے دن مکروہ ہے اور برص کی بیماری پیدا ہونے کا باعث ہے ۔ اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ کونین ﷺ سے میں نے سُنا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا پچھنے لگوانا قوت حافظہ اور عقل کی زیادتی کا باعث ہے ۔لہٰذا اللہ جل جلالہٗ کا اسم پاک لے کر پچھنے لگوایا کرو اور جمعرات 'جمعہ' ہفتہ اور اتوار کو پچھنے نہ لگوایا کرو، مگر ہاں پیر کے دن پچھنے لگوایا کرو' جذام اور برص تو بدھ کے دن ہوتی ہے اور ابوداؤد کی روایت ہے کہ منگل کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے ۔
شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا یقیناً احادیث سے ظاہر ہو گیا کہ دنوں میں بہتر دن پچھنے لگوانے کے لئے پیر کا دن ہے ،جبکہ ۱۷'۱۹' یا ۲۱ رکو یہ دن آئے ۔
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں :

ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے۔ اطباء کا قول بھی اس کے موافق ہے۔ ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سینگی لگانا مہینے کے شروع میں اور ختم میں اچھا نہیں ہے، بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سینگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں۔ ان سے مختلف مقامات پر سینگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو زہر قاتل کھلا دیا تھا، جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ اُس گوشت کو جس میں زہر تھا، حضور اکرم ﷺ نے پورا نوش نہ فرمایا تھا، مگر جس قدر کھایا گیا تھا، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات میں بالخصوص گرمی کے زمانے میں بار بار عود کر آتی تھی اور جس جانب مادّے کا زور ہوتا تھا، اسی جانب حضور اکرم ﷺ کو سینگی کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور سمی مادّہ چونکہ خون میں حلول کرتا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے، اس لئے مختلف مقامات پر اس کا زور ہوتا تھا۔ (خصائل)

خلاصۂ بحث :

خلاصہ یہ کہ ان تاریخوں کو دموی علاج میں دخل ہے، کیونکہ باری تعالیٰ نے خون کی کثرت اور قلت میں قمر کا اثر رکھا ہے، جیسے جوار بھاٹا، اس کی وجہ سے ہوتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نجوم کے اثر کو مان لیا گیا، کیونکہ قمر کو عرف میں نجم نہیں کہتے اور اس کے اثرات یقیناً ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔

(۲۵۱/۶) حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ۔

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحٰق بن منصور نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے معمر کے حوالہ سے اس کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے

اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے موضع ملل میں (جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالتِ احرام میں پشت قدم پر سینگی لگوائی۔

پچھنے لگوانے میں جغرافیائی اثرات :

ان رسول اللّٰه صلى الله عليه و سلم احتجم ...... حالتِ احرام میں سینگی لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اُکھڑیں ...... فيه حل الحجامة للمحرم حيث لا ازالة شعر والا حرمت بلا ضرورة (مناوی ج۲ ص ۲۲۳) ان روایات میں سینگی کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگی کا استعمال حضور اکرم ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور فصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اطباء کے نزدیک فصد بہ نسبت سینگی کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اکسیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے۔

حجاز کا ملک گرم ہے۔ اس ملک کے لئے سینگی زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانے میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آجاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانے میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ بخلاف سرد ملکوں کے اور اسی طرح سے سردی کے زمانے میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت ماحول کی سردی کی وجہ سے اندرونِ بدن میں چلی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پیشاب میں بھاپ نکلتی ہے۔ امراض میں کمی ہوتی ہے۔ اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرونِ بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسہولت ہضم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسہولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت۔

اسی وجہ سے اہلِ حجاز کو شہد کھجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا۔ سینگی میں خون چونکہ ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہر بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے، اسلئے سینگی وہاں کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرونِ بدن سے اور رگوں سے خون کھینچتا ہے، اس لئے فصد وہاں کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔ (خصائل) علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جغرافیائی اثرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :

و قال صاحب الهدى التحقيق فى امر الفصد و الحجامة انهما يختلفان باختلاف الزمان و المكان والمزاج والحجامة فى الازمان الحارة والاماكن الحارة والابدان الحارة التى دم اصحابها فى غاية النضج انفع و الفصد بالعكس ولهذا كانت الحجامة انفع للصبيان و لمن لا يقوى على الفصد و يؤخذ من هذا ايضا ان الخطاب لغير الشيوخ لقلة الحرارة فى ابدانهم و قد اخرج الطبرانى بسند صحيح الى ابن سيرين قال اذا بلغ الرجل اربعين سنة لم يحتجم (جمع ج۱ ص۳۴۶) (صاحب الهدیٰ حجامت اور فصد کی تحقیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں زمان و مکان اور مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اثر رکھتے ہیں۔ اور حجامت (پچھنے) گرمی کے موسم اور گرم علاقوں اور گرم مزاج والوں (جن کا خون انتہائی پختہ اور گاڑھا ہوتا ہے) کے لئے انتہائی مفید ہے اور فصد (رگ کھولنا) اس کے برعکس ہے (یعنی وہ سردی کے موسم سرد علاقوں اور سرد مزاج والوں کے لئے مفید تر ہے) اس لئے تو حجامت (پچھنے) چھوٹے بچوں اور جو لوگ رگ کھولنے (نشتر کے ذریعے خون نکالنے) کی طاقت نہ رکھتے ہوں کے لئے زیادہ نافع ہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجامت اور فصد کا حکم بوڑھے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو ہے۔ کیونکہ ان کے بدن کی حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ طبرانی ؒ نے سند صحیح کے ساتھ امام ابن سیرین ؒ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ پھر پچھنے نہ لگوائے)۔

==============================